برگزیدہ نبی کے برگزیدہ خصائل

سلسلۂ
مطبوعات
نظامیہ دارالاشاعت
دہلی

برگزیدہ نبی کے برگزیدہ خصائل

از جناب مولانا مولوی محمد عظیم صاحب مرحوم
واعظ اسلام گکھڑی

پبلشر
محمد انوار ہاشمی
مالک
نظامیہ دارالاشاعت دہلی

قیمت ۱۲ ار

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

ذوق رکھ سنت گرامی سے | ہے شرف آپ کی غلامی سے
جو کوئی پیرو رسول نہیں | لاکھ طاعت کرے قبول نہیں

حضرت حبیب رب العالمین رحمۃ للعالمین کی پاک زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت (جو تمام ترقیوں کا راز ہے) یہ ہے کہ جس بات کی تعلیم جناب نے دنیا کو دی اُس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ کسی دوسرے نبی کے حالات میں نہیں ملتی۔ دوسرے نبیوں اور رسولوں کے صحائف اور واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ تو معلوم ہے کہ اُنہوں نے وقتی ضروریات کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم دی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس بات کی طرف اُنہوں نے لوگوں کو دعوت دی اسپر خود کس حد تک عمل کیا اور اپنے وجود سے اُس کو کہاں تک عملی لباس پہنایا۔ اس خصوصیت میں جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی دنیا کے لیئے ایک کامل اُسوہ حسنہ ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کا ایک شوشہ بھی ایسا نہ ہوگا کہ جسکا عملی نقشہ آپ کی زندگی میں نظر نہ آئے قرآن پاک پر بلا تکلف عمل کرنا آپ کی جبلّت تھا۔ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت وخانہ داری کے متعلق کچھ دریافت کیا تو صدیقہؓ نے قرآن پاک کی ایک آیۃ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ امر نہیں دیکھا۔ کیونکہ آپ کا فعل تو وہی تھا جو حکم قرآن ہے۔

حضور انور کی مقدس زندگی میں سب سے بڑا سبق مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے یہی ہے کہ وہ عملی قوت اپنے اندر پیدا کریں اور جس بات کی زبان سے تبلیغ کریں یا جس بات کو اپنے یا خلقِ خدا کے لئے مفید سمجھیں اُس پر عمل بھی کریں نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلائیں۔ اگر مسلمان اس پاک نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی عملی حالت کو درست کر لیں تو آج ہی ان کا بیڑا پار ہو جائے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عملاً آپ کے ہر ایک قول و فعل کی تقلید کرتے ہیں اور اُس مبارک نمونہ کی پیروی ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں۔ جو مسلمان تنزل اور پستی کی زندگی میں مبتلا رہتے ہیں اور اُس سے اُبھرنے کی کوشش نہیں کرتے اُن سے زیادہ بُرا اور زیانکار کوئی نہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً	کہ اے رسولِ پاکؐ انہیں بتاؤ کہ سب سے زیادہ
الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا	زیانکار کون لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکی کوشش
وهم يحسبون انهم يحسنون	پست اور متنزل زندگی میں گمراہ ہوئے اور اسپر بھی وہ سمجھ
صنعا (پ۱۶ کہف ع ۱۲/۲)	رہے ہیں کہ ہم اچھے کار گزار ہیں۔

مسلمان اگر اُس پاک اُسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں اور سچ مچ کے مسلمان بن جائیں تو دین و دنیا کی ہر طرح کی سربلندی و عزت انہیں کیلئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون	(مسلمانو!) تم ذلیل نہ ہو اور رنجیدہ نہ ہو۔ تم اگر ایماندار
ان كنتم مؤمنين ۰ (پ۴ آل عمران ع ۱۴)	ہو تو تمہیں ہی سربلندی ہوگی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر جب تک مسلمانوں کا عمل رہا تمام زمانہ کی خوبیاں ان میں موجود تھیں حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اپنے مرقد اقدس میں زندہ ہیں۔ آپ کی مقدس نگاہیں ہمہ تن چشم بنی ہوئی ہیں کہ ہم آپ کی نیک نظیر سے فائدہ اُٹھا کر اپنی حالت کو کسقدر درست کرتے ہیں اور جن اصولوں و ضوابط کی آپ نے تعلیم دی تھی ہمارا طرزِ عمل اُن سے کہاں تک مطابق ہوتا ہے۔

مسلمانو! جب اغیار تک اُس ذاتِ پاک کی تعظیم پر مجبور ہیں تو کیا تم کو اُسکا احترام نہ کرنا چاہیئے اور اُسکی تعلیمات کو اپنی زندگی کا اصول نہ بنانا چاہیئے۔ یاد رکھو سچی تعظیم و احترام یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی و الہام کے ذریعہ سے ہماری فلاح و رفاہ کیلئے جو اصول قرار دئے ہیں اور اپنے عمل سے اُنکو عملی صورت میں تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم اپنی زندگی کو اُنہیں راستوں پر لائیں۔ آپ کی تعلیمات کو پھیلائیں اور عہد کریں کہ آئندہ ہم میں ہر شخص ان مبارک اصول وضوابط کا پابند نظر آئیگا ؎

قدم باید از طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

اس سلسلۂ مضامین میں حضور علیہ السلام کے اخلاق ستودہ کی عملی نظیریں دیکر آپ کی بعض اخلاقی تعلیمات کا نمونہ پیش کیا جائیگا تاکہ ہمارے مسلمان بھائی جو آجکل زیادہ تر "مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب" کے مصداق ہو رہے ہیں۔ اپنے مقدس ہادی کے اوصاف و فضائل کا علم حاصل کرنیکے علاوہ آپ کی بہت سی پاکیزہ تعلیمات سے بھی باخبر ہو سکیں اور سعادت کی تائید اور خدا کی توفیق سے اُن پر عمل کر کے سچے اور قابل فخر مسلمان بنجائیں۔

رحم و مروّت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے رحم دل اور بامروّت تھے کہ کبھی کسی پر غصہ نہ فرماتے خصوصاً کسی اپنے ذاتی کام کے متعلق اگر کسی خادم یا رفیق سے کسی ذاتی کام کے متعلق آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ بڑی فیاضی سے درگزر کرتے اور کچھ ملامت بھی کرتے تو ایسے طریقہ سے کہ جسکو ملامت کیجاتی اُسکا دل بھی نہ دُکھتا اور اثر بھی پورا ہوتا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی خادم پر ناراض ہوتے تو یہ فرماتے کہ "اگر مجھے روزِ قیامت میں بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں اس مسواک سے خوب ہی مارتا۔

خود انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور بچپن سے حضورؐ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کسی کام کو فرمایا انس رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کام سے انکار کر دیا اور جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ لیکن پھر میں خود ہی اپنے دلمیں نادم ہوا اور اُس کام کے انجام دینے کے واسطے روانہ ہو گیا۔ مسجد سے نکلکر گلی میں چند لڑکوں کو کھیلتے دیکھا اور بچپن کے اقتضا سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ میں اُسطرف متوجہ تہا کہ پشت کی جانب سے کسی نے میری گردن پکڑلی۔ اور میں نے مڑ کر دیکھا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ نے آنکھیں چار ہوتے ہی مسکرا کر فرمایا "انس رضؓ کیا تو اب کام کرنے جا رہا ہے؟" حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کے اس کہنے کا مجھپر ایسا اثر ہوا کہ میں عرقِ ندامت میں غرق ہو گیا۔ اور پھر عمر بھر کبھی آپکے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی۔"

مکہ والوں کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے۔ اور مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے منزل بمنزل پا پیادہ کوہ طائف پر جو مکہ سے شمال کیجانب ۰۰ میل پر واقع ہے تشریف لیگئے وہاں پہنچکر دعوت اسلام اور توحید کی منادی شروع فرما دی۔

طائف کے حکمراں سردار اور اُس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں بستی کے شہدوں اور بازاری لڑکوں کو سمجھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دق کریں۔ تکلیف دیں اور ہنسی اُڑائیں۔

ایک دفعہ ان بدمعاشوں نے آپ پر اسقدر کیچڑ اور پتھر پھینکے کہ حضور نے ایک احاطہ کے اندر جا کر پناہ لی۔ ایک دفعہ جسم اطہر پر اتنے پتھر مارے کہ جسم سے خون جاری ہوا اور پاؤں مبارک کا جوتا خون جم کر پاؤں سے چمٹ گیا۔

ایک دفعہ ایسی ضرب آئی کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت زید رضؓ جو اس سفر میں آپ کے

ہمرکاب تھے حضور کو اپنی پشت پر اُٹھا کر بستی سے باہر لے گئے۔ پانی کا چشمہ وہاں تھا پانی کے چھینٹے منہ پر دیئے تو ہوش آیا اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ مگر العظمۃ اللہ جوشِ کرم اور وفورِ رحمت کا یہ عالم تھا۔ کہ بددعا کی بجائے زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ "اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے ان کی اولاد ضرور توحید کا کلمہ پڑھنے والی ہوگی۔

جب جنگِ احد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ انور زخمی ہوا تو اصحاب پر یہ بات نہایت شاق گزری۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ "یا نبی اللہ! آپ کُفّار کے حق میں بددعا کیجئے۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بددعا کرنے کے لئے دنیا پر مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ رحمت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ حق کی طرف بُلانا میرا کام ہے نہ کہ بددعا کرنا۔ پھر دستِ مبارک اُٹھا کر یوں دعا فرمائی۔ اللّٰھُمَّ اھد قومی فانھم لا یعلمون یعنی اے میرے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ مجھ کو پہچانتے نہیں۔ سبحان اللہ

لوحِ جبیں پہ سنگ پڑا بددعا نہ کی — بیگانوں کے گلے سے زبان آشنا نہ کی
اور عین عارضے میں نظر جز خدا نہ کی — بخشی شفا مریضوں کو اپنی دوا نہ کی

تقسیم عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ اپنے اصحاب کی رعایت خاطر ہمیشہ مدنظر رکھتے۔ ہر کام میں اُن کے ساتھ شریک رہتے۔ اپنی خدمت کا بار دوسرے پر ڈالنا آپ کی عادت نہ تھی۔ آپ کے اصحاب کو آرزو رہتی تھی کہ حضور کسی خدمت کا حکم دیں اور ہم سر آنکھوں سے بجا لائیں۔ لیکن آپ خود اور آدمیوں کا کام کر دیتے۔ دوسروں سے کوئی خدمت نہ لیتے۔

ایک بار سفر میں منزل پر ٹھہرے۔ کھانا پکانے کا انتظام ہونے لگا۔ اصحاب کرام میں سے ہر شخص نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لے لیا۔ کسی نے کہا میں ذبح کرنے کا کسی نے گوشت بنانے کا اور کسی نے پکانے کا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیاں چن لاؤنگا۔ اصحاب نے عرض کیا "قربانت شویم! ہماری موجودگی میں حضور کو کسی کام کے کرنے کی کیا حاجت ہے۔ حضور نے فرمایا۔ رفیق وہ ہی جو رفیقوں کا شریک ہو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم سب کام کرو۔ اور میں بیٹھا دیکھا کروں مجھے بھی حق رفاقت ادا کرنے دو۔ چنانچہ آپ لکڑیاں چن لائے اور اسطرح اپنے رفقاء کے دلمیں اپنی صادق الفت کا نقش بٹھا دیا۔

غزوۂ خندق میں جب کفار کا زبردست لشکر مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا تھا اور مسلمان (اسوقت) اُن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کی رائے سے حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شہر کے گرد خندق کھودنے کا انتظام کیا تمام مسلمانوں کے ساتھ حضرت رسالت مآب خود بہ نفس نفیس اس کام میں شریک ہوئے اس موقع پر مسلمانوں کے پاس ازوقہ کی کمی تھی اصحاب کرام اور خود حضور علیہ السلام کو کئی کئی وقت بغیر غذا کے رہنا پڑتا۔ مگر کام سے ہاتھ نہیں روکتے تھے قوم کے علماء ومشائخ اور لیڈر اس پاک نمونہ سے سبق لیں۔ خود تو صرف زبانی جمع خرچ سے کام لینا اور خدا کی مخلوق کے ذمہ اپنا بوجھ ڈالنا رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ کے بالکل خلاف ہے

فروتنی وانکسار

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر متواضع تھے کہ کبھی اپنی کسی ادا سے خود پسندی کا اظہار نہیں فرماتے تھے ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو ذرا سی بھی وقعت وعزت حاصل ہوجاتی ہے وہ ہر جگہ صدر نشینی یا امتیاز کے ساتھ بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے

لیکن جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ مجمع اصحاب میں ہمیشہ اسطرح نشست رکھتے کہ باہر سے آنے والا ناواقف شخص سرسری نظر سے آپ کو پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ آپ دوسرے ہمنشینوں سے زانو بڑھا کر یا کسی صدر مقام پر نہیں بیٹھتے تھے۔

حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ آپ کے پاس لائے۔ وہ شخص آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اُسکی یہ حالت دیکھکر فرمایا کہ "تو ڈرتا کیوں ہے میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتا تیری کیا حاجت ہے"؟ اُس نے مطلب عرض کیا حضور نے اُسکی حاجت روائی کی اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! میرے پاس اس مضمون کی وحی آئی ہے۔ کہ تم لوگ تواضع کرو اور کوئی شخص کسی پر فوقیت نہ ڈھونڈے اور نہ فخر کرے۔ کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو باہم بھائی بھائی بن جاؤ"۔

جناب رسالت مآب سے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ یونہی سی لغزش ہوئی کہ آپ ایک اور شخص سے باتیں کرنے کی وجہ سے ایک نابینا کی طرف متوجہ نہ ہو سکے کامل انسان کی ایک نابینا کی طرف سے یہ بے اعتنائی اس تنبیہ کے واقعہ کو اللہ العالمین کب روا رکھ سکتا تھا۔ فوراً تنبیہ ہوئی اور آپنے اسے ازراہ کمال دیانت و امانت بلا تامل اس تنبیہ کے واقعہ کو سب پر ظاہر فرما دیا۔ بشری تقاضا اخفائے سرزنش اس کے اظہار سے مانع نہ ہو سکا۔ آپ نے سجدۂ تعظیمی سے ایک شخص کو روک دیا۔ اسکی عام طور پر ممانعت کر دی۔ کیونکہ سجدۂ تعظیمی انسانی حرمت کا دشمن تھا۔

آپ نے لوگوں کو اپنی سروقد تعظیم سے منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔ لَا تَقُوْمُوْا اِلَیَّ کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ لِمُلُوْکِھِمْ یعنی جسطرح عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے لئے سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں میرے لیے مت کھڑے ہوا کرو۔

ایک دفعہ بیمار ہونے پر نمازیوں کو کھڑا ہونے سے منع کیا۔ نماز بیٹھ کر پڑھائی مقتدی

بھی بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہے اس خیال سے کہ مبادا کسی کو کہنے کا موقع ملے کہ یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کے لئے کھڑے ہیں۔

آپؐ زمین پر عاجزوں کیطرح بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرمایا کرتے۔ میں بندہ ہوں بندوں کی طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں۔

مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے۔ بیوہ اور ضعیفہ عورتیں مصیبت زدہ لوگ لونڈی غلام اور چھوٹے لڑکے آپ کا دامن پکڑ لیتے۔ آپ وہیں کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ ہٹتے اُن سے باتیں کرتے رہتے۔ بیچاری دُکھیا عورتیں آپ سے اپنا دُکھ سُکھ بیان کرتیں۔ آپ اُن کو تسلی اور دلاسا دیتے۔ بازار سے اُنکا سودا لا دیتے۔ غلاموں پر نہایت مہربانی فرماتے ان کے مالکوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک رکھنے کی ہدایت کرتے رہتے۔

آپؐ دعا فرمایا کرتے اللھم احینی مسکیناً وامتی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین بارخدایا مجھے مسکین جلا اور مسکین مار اور مسکینوں ہی کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

سبحان اللہ کیا شان رحمت ہے اور کیسی مسکینوں پر عنایت ہے۔ اس سے ایک نہایت قیمتی سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو غربت اور مسکنت سے دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔ دنیا میں عاجز مسکینوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور نظام عالم میں اس طبقہ بشری کو بہت بڑا رتبہ حاصل ہے۔ اگر غریب اور حاجتمند گروہ نہ ہو تو دنیا کی آبادی اور کاروبار کا فروغ ناممکن ہے۔

وفائے عہد

جناب رسالتمآبؐ کو ایک بار شہر مکہ میں کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں مجھے آپ سے ایک کام ہے آپ نے وعدہ فرما لیا وہ شخص چلا گیا۔ . . . . . اور اُسے یہ یاد نہیں رہا کہ وہ آپؐ کو اپنا منتظر بنا کر چھوڑ آیا ہے۔ آپؐ اسی مقام پر موجود رہے جہاں وہ ٹھہرا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دن گزر کر رات آ گئی۔ دوسرے دن اتفاق سے وہ آدمی پھر اُسی راستے

گزرا اور آپ کو وہاں دیکھ کر اپنی حرکت پر بہت منفعل ہوا اور آپ سے معذرت کرنے لگا آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے"۔ یہ کہکر وہاں سے مکان تشریف لے گئے۔

ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھ کو قاصد بناکر (صلح حدیبیہ کے دوران میں) حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ میں) بھیجا۔ میری نظر جب آپ کے چہرۂ انور پر پڑی تو میرا دل نور اسلام سے منور ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ!) اب میں آپ کے پاس سے نہ جاؤنگا"۔ آپ نے فرمایا (ابو رافع!) ہم بد عہدی نہیں کر سکتے کہ قاصد کو روک لیں اب تم جاؤ۔ اگر تمہارے دلمیں اسلام قایم رہی تو پھر وہاں سے چلے آنا۔ ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں قریش کے پاس گیا اور وہاں سے واپس آکر میں نے اپنا اسلام کو ظاہر کیا۔

صلح حدیبیہ میں جو اقرار نامہ لکھا گیا تھا اُس میں بعض شرائط صلح ایسی تھیں جو بہت سے اصحابؓ کو ناگوار تھیں۔ بالخصوص یہ شرط کہ جو شخص مکے سے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آ جائے اُسکو تو کفار کے طلب کرنے پر ان کے حوالے کر دیا جائیگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا آئے تو قریش اُسکو واپس نہیں کرینگے۔ یہ شرط اصحاب کو بہت ناگوار ہوئی۔ مگر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دور اندیشی سے اسکو منظور فرمالیا اور اصحابؓ سے یہ فرمایا کہ کریم کارساز اُن لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں مگر ابھی تک قریش کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں جلد نجات دیگا۔ اب رہی یہ بات کہ جو کوئی ادھر سے بھاگ کر قریش سے مل جائے تو اُس کے واپس نہ ملنے میں ہمارا کیا ہرج ہے کیونکہ ایسے شخص کو جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر مرتد ہو جائے اُسکو ہم لیکر کیا کرینگے غرضکہ صلح ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرارداد کے موافق حج وعمرہ کا ارادہ فسخ کیا اور وہیں قربانی کی اور صحابہ کو لیکر مدینہ منورہ چلے آئے جب آپ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہو گئے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جو آپ کے سچے عاشق وجاں نثار تھے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ میں آگئے۔ یہ بھی اسلام لے آنے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے پاس قید میں تھے کفار نے

حسب قرار داد دو آدمی ان کے لینے کو بھیجے۔ آپ نے ابوبصیرؓ کو اُن کے حوالے کر دیا۔ ابو بصیرؓ نے بہت منت و زاری کی مگر آپ نے فرمایا کہ "ہم وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی صورت کشائش کی کر دیگا غرض وہ دونوں قاصد ابوبصیرؓ کو لیکر چلے۔ راستے میں جب بمقام ذی الحلیفہ کھانا کھانے بیٹھے تو ابوبصیر نے بہانہ سے ایک قاصد کی تلوار لے کر اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا جب دوسرے کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھاگا اور بھاگ کر پھر حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ابوبصیرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ آپ نے ابوبصیرؓ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ تو لڑائی سے آگ بھڑکاتا ہے اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ تم خود اسکو وہاں چھوڑ کر آؤ۔ ابوبصیرؓ نے جب یہ سمجھ لیا کہ آپ کسی صورت سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرینگے اور اسکو ضرور واپس دینگے تو وہ بھاگ کر سمندر کے کنارے جا کر رہنے لگے۔

اللہ اکبر! کسقدر آپ کو اپنے وعدہ کا پاس تھا۔ آپ کا ارشاد ہے لا ایمان لمن لا عھد لہٗ جو عہد کا پکا نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں۔ وعدہ خلافی کرنے والے مسلمان اس پاک نمونہ سے سبق سیکھ کر آئندہ کے لئے وعدہ خلافی کرنے سے توبہ کریں۔ تاکہ دین اور دنیا میں اُن کو کامیابی نصیب ہو۔

اولاد کے ساتھ محبّت

اولاد ہر ایک انسان کو عزیز ہوتی ہے۔ اولاد سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ بلکہ اس لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بحیثیت انسان ہونے کے اس فطری جذبہ سے خالی نہیں تھے۔ آپ کو بھی اپنی اولاد سے محبّت تھی اور بہت زیادہ محبت تھی۔ مگر اس عمل محبت میں بھی آپ کی حیثیت عام انسانوں سے الگ تھی جسطرح آپ کی پاک زندگی کے تمام کام اپنے اندر للّٰہیت کا رنگ رکھتے تھے اسیطرح

آپؐ کا اپنی اولاد کے ساتھ محبت کرنا بھی محض خدا تعالےٰ کے لئے تھا اور اس لئے کہ وہ بھی آپکی صداقت کے لئے ایک شہادت کا کام دے۔

آپؐ کی اکثر اولاد بچپن ہی میں دنیا سے رحلت کر گئی۔ اُن کے رحلت کے وقت بھی آپؐ سے ان کی محبت کا اظہار ہو۔ چنانچہ جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم نے وفات پائی تو آپؐ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے مگر ایسے وقت میں بھی آپ نے منصب نبوت کو مدنظر رکھا چنانچہ حضرت ابراہیم کے دفن کرنے کے وقت اتفاق سے سورج کو گہن لگ گیا اور نبی زادہ کی عظمت کی بنا پر عوام کو قدرۃً یہ خیال ہوا کہ شاید سیارے بھی ان کی رحلت کے غم سے متاثر ہیں تو آپؐ کی دور اندیش اور خدا بیں نگاہ نے فوراً تاڑ لیا اور آپ کے بے لوث باطن نے زبان سے یہ کہلا دیا۔ کہ

الشمس وَالقمر لا ینکسفانّ لموت احدٍ ولا لحیاتہ انھما اٰیتان من اٰیات اللہ	سورج اور چاند کو گہن لگنا کسی کی موت اور حیات سے تعلق نہیں رکھتا (بلکہ) وہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے۔

گو حضرت نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کو اپنی اولاد خصوصاً حضرت خاتون جنت اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے دلی محبت تھی۔ مگر آپ کی یہ محبت عام انسانوں کی محبت کی طرح نہیں تھی۔ بلکہ یہ محبت بھی اپنے اندر شان نبوت رکھتی تھی اور اس بات کی کافی شہادت تھی کہ آپ کا کوئی کام اس ارشاد خداوندی کے باہر نہیں ہوتا۔

قل انّ صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین (پ ۸ سورہ انعام)	کہ (اے رسولِ پاک) کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے۔

چنانچہ باوجود حضرت سیّدہ کے ساتھ بے حد محبت رکھنے کے آپؐ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپؐ اپنی صاحبزادی کے گھر پر تشریف لائے اور حضرت سیدہ کی گردن میں ایک سونے کا گلوبند دیکھا۔ جسے اُن کے شوہر علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے ان کے لئے خریدا تھا جب آپ کی نگاہِ مبارک اُس گلوبند پر پڑی تو آپ نے فرمایا۔ "اے فاطمہ! کیا لوگ نہ کہیں گے؟

کہ فاطمہ محمدؐ کی بیٹی جبابرہ یعنی مغرور امیروں کا سا زیور پہنتی ہے"۔ صاحبزادی بھی چونکہ اُسی آفتابِ رسالت کے نور سے منور تھیں یہ سنتے ہی اُٹھیں اور گلوبند کو توڑ کر فروخت کر دیا اور اسکی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا جب اس واقعہ کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ بہت محظوظ ہوئے۔

دنیا میں کون آدمی ہے جو اپنی اولاد کے لئے آرام و آسائش کے سامان مہیا نہیں کرتا یا ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی اولاد کو ہر طرح کی نعمت میسر ہو اور وہ آرام و آسائش سے بسر اوقات کرے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ باوجودیکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی (فاطمہؓ) کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اسپر بھی وہ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ یہانتک کہ چکی پیسنے سے آپ کے دستہائے مبارک کی کھال سخت ہو گئی تھی اور پانی کے گھڑے اُٹھانے سے آپ کے سینۂ مبارک پر اُسکا نشان پڑ گیا تھا اور گھر میں جھاڑو دینے اور کھانا پکانے سے آپ کے کپڑے اکثر غبار آلود اور سیاہ رہتے تھے اسطرح ہر قسم کی تکلیف آپ اُٹھاتیں تھیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اُنسے کہا کہ تم اپنے والد ماجد کے پاس جاؤ اور اُن سے ایک خادمہ کی درخواست کرو تاکہ تمہاری تکلیف کسی قدر کم ہو جائے۔ میرے اس کہنے پر وہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھ کر شرم کی وجہ سے کچھ کہہ نہ سکیں اور واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن آپ خود تشریف لائے اور پوچھا کہ اے بیٹی کل تم کس غرض سے آئی تھیں۔ یہ سنکر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک خادمہ کے مانگنے کے لئے آئی تھیں تاکہ ان کو اس محنت اور تکلیف سے پانی بھرنے چکی پیسنے اور جھاڑو دینے میں ہوتی ہے کچھ نجات ملے۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تم کو ایسی چیز کیوں نہ بتاؤں جو تم دونوں کے حق میں خادمہ سے بہتر ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ ۳۳ دفعہ سُبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔

اسپر حضرت سیدہؓ نے فرمایا کہ میں خدا اور اُس کے رسول سے راضی ہوئی۔ رضیت عن اللہ ورسولہ فقط

ان روایات کوبغور پڑھنے سے شانِ نبوت معلوم ہوتی ہے۔ رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اہل بیت کی عظمت اور آلِ رسول کے مکارم اخلاق کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کی للٰہیت اور سچی ہمدردی خلائق پر روشنی پڑتی ہے کہ باوجود اس تکلیف اور محنت کے جو آپؐ کی صاحبزادی کو اپنے گھر کے کام کاج کرنے میں ہوتی تھی۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں کو چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کے لئے آسائش کا سامان مہیا کریں۔

حضرت امام باقر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عادت تھی کہ جب آپؐ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھر والے سے رخصت ہوتے۔ مگر سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو الوداع کہتے اور انھیں کے گھر سے تشریف لیجاتے۔ اور جب سفر سے واپس آتے تو پہلے حضرت فاطمہؓ کے دیکھنے کو تشریف لیجاتے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب کسی سفر پر تشریف لے گئے تو حضرت علی ابن ابیطالبؓ نے حضرت سیدہؓ کے پاس کچھ مال بھیجا حضرت سیدہؓ نے اپنے والد اور شوہر کی غیبت میں چاندی کے دو کنگن بنوائے اور ایک پردہ (خریدکر) اپنے دروازے پر لٹکایا جب حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لاکر اپنی عادت کے موافق سیدھے اپنی صاحبزادی کے گھر میں آئے تو فاطمہؓ خوش خوش (آپ کے استقبال کے لئے) آپ کی طرف دوڑیں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جونہی آپ کے ہاتھوں میں وہ کنگن دیکھے اور دروازے کے پردے پر نظر کی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی وہ رونے لگیں اور سوچنے لگیں کہ ان چیزوں سے پہلے تو رسولخدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لئے فوراً پردے کو دروازے سے اُتار لیا اور دونوں کنگن ہاتھ سے نکال لئے اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بُلا کر ایک کے ہاتھ میں کنگن اور دوسرے کے ہاتھ میں پردہ دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے نانا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور سلام کے بعد میری طرف سے عرض کرو کہ آپ کے پیچھے ان چیزوں کے

سوائے ہم نے کچھ نہیں بنایا ہے اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں جو چاہئے کیجئے"۔

جب صاحبزادے اِن چیزوں کو لیکر آپؐ کی خدمت میں پہونچے اور اپنی والدہ ماجدہ کا پیغام پہنچایا۔ تو آپؐ نے دونوں کے مُنہ پر بوسہ دیا اور شفقت سے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھا کر اور خوش ہو کر حکم دیا کہ یہ دونو چاندی کے کنگن توڑ دئے جائیں اور پھر اہل صفّہ کو جو مہاجرین میں سے تھے اور مسجد نبوی کے حجرے میں مسکینیت و غربت کی وجہ سے پڑے رہتے تھے۔ بلایا اور اُن میں وہ چاندی کے ٹکڑے تقسیم فرمادئے۔ پھر انہیں اصحاب صُفّہ میں سے ایک آدمی کو جسکے پاس کپڑا نہیں تھا۔ آگے بُلایا اور اُس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اُسے دیدیا اور اسی طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا ٹکڑا اس پردے میں سے عنایت کیا۔

اس سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا "خدا رحمت بھیجے میری بیٹی فاطمہؓ پر اور ان کو حلّہائے جنّت عطا کرے۔ اس بخشش کے بدلے میں جو انھوں نے کی اور اس پردے کے بدلے میں جس سے مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے میں جو اُنہوں نے غرباء میں تقسیم کئے۔

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ساتھ لیکر اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور دروازہ پر جاکر دستک دی اور ارشاد فرمایا "السلام علیکم۔ میں اندر آؤں؟" حضرت سیدہؓ نے جواب دیا "تشریف لائیے"۔ آپ نے فرمایا "میں اور میرا ساتھی دونوں آئیں" سیدہ نے اندر سے دریافت کیا کہ "آپ کے ساتھ کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا کہ "عمران بن حصین"۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ "قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی کہ جس نے آپ کو سچا نبی کر کے بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوائے اور کوئی کپڑا نہیں"۔ آپؐ نے دستِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کو اسطرح لپیٹ لو"۔ حضرت سیدہؓ نے عرض کیا

کہ بدن تو میں نے چھپالیا مگر سر کیسے چھپاؤں؟" آپؐ نے اپنی چادر ان کے پاس پھینکدی اور فرمایا کہ اس سے اپنا سر باندھ لو"۔ حضرت سیدہؓ نے ایسا ہی کیا اور بعد ازاں اندر آنے کی اجازت دی۔ آپؐ نے اندر جاکر فرمایا "بیٹی! آج تم کیسی ہو؟" سیدہؓ نے عرض کیا کہ میرے درد ہے اور اس درد پر ایک اور درد یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کو نہیں۔ بھوک نے نڈھال کر دیا ہے"۔ آپ رو پڑے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا اے لختِ جگر تو مت گھبرا۔ بخدا میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا۔ اور تیری نسبت خدائے تعالےٰ کے میں زیادہ مقرب ہوں۔ اگر میں خدا سے مانگتا تو مجھ کو کھلا دیتا۔ مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اُسی کو پسند کیا" یہ کہکر آپؐ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مار کر فرمایا "تجھ کو بشارت ہو کہ تو جنّت کی عورتوں کی سردار ہے"۔ ایکمرتبہ آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:-

یا فاطمة سلینی ما شئت من مالی فانی لا اغنی عنك من الله شیئاً (مشکوٰۃ) اے فاطمہ میرے مال میں سے جو کچھ تمہیں چاہئے مانگ لو لیکن خدا تعالےٰ کے سامنے (قیامت کے دن) میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤنگا۔ مطلب یہ کہ عتاب الٰہی کا مجھ سے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ آخرت کا زادِ راہ تم خود تیار کرو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کو دیکھا کہ جمعے کی شب کو محراب میں کھڑی نماز پڑھ رہی ہیں اور صبح تک رکوع اور سجود فرماتی ہیں۔ بعد ختم نماز کے آپ نے مومنین اور مومنات کے لئے دعا کی۔ تو میں نے کہا کہ اے مادر مہربان! آپ اپنے لئے کیوں دعا نہیں مانگتیں۔ میری والدہ نے جواب دیا کہ "اول ہمسایہ کا کام کرنا چاہئے پھر اپنا"۔ سبحان اللہ والحمد للہ جب آپ کی صاحبزادی کو ایثار علی النفس کا درجہ یہانتک حاصل تھا کہ اپنے کام پر ہمسایہ کو مقدم سمجھتی تھیں اور اپنے اوپر اُنکو ترجیح دیتی تھیں تو آپ کے اخلاق و ایثار کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ مختصر یہ کہ آپؐ کی ہر ایک ادا قربان ہونے کے قابل ہے اور آپ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

امانت ودیانت

امانت سے بڑھ کر انسان کے کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے کوئی اور معیار نہیں۔ مومن وہی ہے۔ مسلمان وہی ہے جو اس کسوٹی پر کھرا نکلے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ بَلیٰ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ مسلمان وہ ہے جو خدا کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ (پ بقرہ) مطلب یہ کہ اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اُس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اُس کی راہ میں لگا دے۔

وقف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خدائے تعالےٰ کو اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جائے اور اُس کے سامنے کسی اور کو کسی حال میں شریک نہ سمجھا جائے دوسرا یہ کہ اُس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دے۔ دوسروں کے دُکھ اُٹھا کر ثابت کر دے کہ ع سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

امانت۔ سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں جو خدا تعالےٰ ایک انسان کامل کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (اے مسلمانو اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) اُن کے حوالے کر دیا کرو) اس ساری امانت کو جناب باری میں واپس دیدیتا ہے یعنی اُسکی راہ میں واقف کر دیتا ہے۔

اس پہلی قسم وقف کی پاک حالت کا ظہور جسقدر اتم واکمل اور اعلیٰ ہمارے سید ومولےٰ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود باوجود میں ہوا۔ وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔

اسکی شہادت میں قرآن پاک کی وہ سند کافی ہے جسمیں خود حضورؐ نے فرمایا "اَنَا اوّل المسلمین"
یعنی دُنیا کی ابتدا سے اُسکے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا
فنافی اللہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اُسکو واپس دینے والا ہو۔
دوسری قسم وقف کی نسبت بھی اسقدر کافی ہے کہ آپؐ لوگوں کی ہر ایک امانت اور ہر
اُس خدمت کو جو آپ کے ذمّہ تھی۔ اس عمدگی اور خوبی سے پورا کرتے تھے کہ اُسکی وجہ سے
آپؐ تمام قوم میں ہر دلعزیز تھے مصیبت زدہ اور مظلوم آپؐ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔
یتیموں اور بیواؤں کی ڈھارس آپؐ ہی سے بندھتی تھی۔ غریب اور محتاج آپ ہی کا مُنہ
تکتے تھے۔ بیکسوں اور بیماروں کا سہارا اور ماویٰ و ملجا آپ ہی کی ذات پاک تھی۔ امیر
اور شریف۔ رئیس اور حاکم سب ہی کو آپؐ پر بھروسہ تھا۔ قوم نے آپؐ کی ان خوبیوں
پر شیفتہ ہو کر آپؐ کو ایسا اعلیٰ اور قابل قدر خطاب عطا کیا تھا۔ ایسا خطاب قوم کے ہر فرد
بشر نے ہم آواز ہو کر اسوقت تک کسی کو نہیں دیا تھا یعنی "الامین" قوم کی نگاہ جب
اُٹھتی تھی اور کسی امین کی تلاش میں پھرتی تھی تو ہر ایک شخص کی نظر آپؐ ہی پر
پڑتی تھی۔ جدہر آپؐ نکل جاتے تھے بے ساختہ لوگوں کی زبان سے جَاءَ الْاَمِیْنُ
جَاءَ الْاَمین کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ آپؐ کے امین ہونے کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت
ہو سکتا ہے کہ وہی قوم جسمیں آپؐ نے پرورش پائی۔ وہی قوم آپ کی خوبیوں کی شیفتہ
تھی۔ ابوجہل جیسا دشمن رسولؐ اور دشمنِ اسلام نے ایکدن آپؐ کی خدمت میں حاضر
ہو کر کہا۔ اے محمدؐ میں تجھے جھوٹا تو نہیں سمجھتا لیکن جس بات کی تعلیم دیتے ہو وہ میرے
دلمیں نہیں کھُبتی (شفا)

آپؐ کو بھی اپنی امانت و دیانت پر اسقدر بھروسہ تھا کہ اُنھیں لوگوں میں کہ جو
آپؐ کے حالات سے پورے پورے واقف تھے جنمیں رہ کر آپؐ نے تربیت پائی۔
جنکی آنکھوں کے سامنے آپؐ کا نشو و نما ہوا۔ جنکے سامنے آپ کی مقدس زندگی کا

صفحہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور وہ اُس کے ہر ایک پہلو کا بنظر تعمق و غور ہر روز مطالعہ کیا کرتے تھے آپؐ نے بموجب الہام الٰہی تمام قوم۔ تمام ملک تمام خویش واقارب۔ تمام دوستوں اور دشمنوں۔ تمام اپنوں اور بیگانوں کو چیلنج دیا کہ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (پلا یونس) اگر میں آجتک کسی طرح خائن یا مفتری یا کذاب ثابت نہیں ہوا تو پھر میں کسطرح آج افترا باندھ سکتا ہوں۔" یہی منہاجِ نبوت تھا جسکی رو سے کوئی مدعی پرکھا جا سکتا تھا سطحی نظر سے دیکھنے والا تو شاید سمجھے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر سعید الفطرت اور پاک باطن انسان اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کسقدر زبردست دعویٰ ہے اور اس کا مدعی کیسا عظیم الشان انسان تھا جسکو اپنے اعلیٰ کیرکٹر پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ کہ وہ ہر ایک قسم کے داغ دھبے سے بالکل پاک وصاف ہے۔

ہجرت کی رات کو جبکہ آپؐ نے مکہ معظمہ سے روانگی کی تیاری کی تو حضورؐ نے سیدنا علیؓ کو پیچھے چھوڑا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتوں کو (نہایت احتیاط سے) ادا کر کے چلے آنا۔ ایسی حالت میں بھی لوگوں کی امانتوں کا ادا کرنا وہ خاص ادا تھی جس پر سمجھنے والے دل و جان سے فدا ہو رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے خالق و مالک کائنات کے شہنشاہ نے خلعتِ رسالت عطا کرنے سے پیشتر آپؐ کو آپؐ ہی کی قوم کے ہاتھوں ایسا تمغہ پہنایا تھا کہ اگر مخالفین ذرا بھی انصاف کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا بزرگ کہانتک صادق ہو سکتا ہے۔

غرض امانت و دیانت ہی آپؐ کی کامیابیوں کا راز تھا۔ اسی لئے آپؐ کا ارشاد ہے کہ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ ○

امانت میں جس شخص نے کی خیانت
نہ پورا کیا عہد بے عذر و حیلت
نہیں اُس کے ایماں کا ہرگز ٹھکانا
کلامِ خدا کو نہیں اُسنے مانا

شفقت و رافت

جہاں بھر کی تھیں جتنی خوبیاں سب ہوگئیں ہمدتے
تو وہ محبوبِ خالق ہی کہ جسپر یا رسول اللہؐ

شفقت و رافت جبتک کسی کے سینہ میں نہ ہو وہ کسی دوسرے انسان کی ہمدردی میں حصہ نہیں لے سکتا جب تک کسی کے دل میں شفقت و رافت کا درد پیدا نہ ہو تب تک وہ کسی کی غمخواری نہیں کر سکتا۔ کسی کی خطا اور قصور سے بھی درگزر نہیں کر سکتا بیشک عفو و انتقام لینے سے درگزر کرنا ایک عظیم الشان خلق ہے جسکا ظہور بہت ہی کم اولوالعزم انسانوں سے ہوا ہے اور اسکا ظہور کسی انسان سے اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب اُس کے سینہ میں شفقت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

نبی کی سچائی کے لئے سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفسانی جذبات کو اپنے روحانی جذبات پر غالب نہ آنے دے۔ غیض و غضب کی حالت میں بھی انصاف و رحم سے باہر قدم نہ رکھے۔ قابو پاجانے پر بھی اپنے دشمنوں سے اسطرح کا سلوک کرے کہ جس سے اُسکی شفقت و رافت کا اظہار ہو۔ یہ مسئلہ اسقدر نازک اور اہم ہے۔ اسقدر ادق اور مشکل ہے کہ جسکی نسبت اگر یہ کہا جائے تو بالکل سچ ہے کہ ایک شخص در و دیوار اور شجر و حجر سے اپنی صداقت کی گواہی دلا سکتا ہے مگر دشمن پر قابو پا کر اس سے درگزر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص آگ میں کود کر زندہ و سلامت نکل آئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ غیظ و غضب کی ایک خفیف سی چنگاری بھی اسکے دامن حلم پر لگے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس حالت کے اظہار کے لئے پہلے ایک شخص خطرناک طریق پر ستایا جائے پھر انقلاب زمانہ اُس کے ستانے والوں کو اُس کے سامنے مغلوب اور ہزیمت خوردہ حالت میں بغرض انتقام لے آئے۔ اسکو طاقتِ انتقام بھی حاصل ہو

اور انتقاماً جو کچھ سزائیں وہ تجویز کرے وہ سب حالات ماضیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بالکل
موزوں ہوں۔ لیکن پھر وہ اپنے دشمنوں کو معاف کرکے اپنی شفقت و رافت کا ثبوت دے
(۱) یہ تمام حالات اور واقعات حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پاک زندگی
ہی میں قدرت نے جمع کئے ہیں۔ قریش مکہ نے جسقدر آپؐ کو اور آپؐ کے اعوان و
انصار کو ستایا اور دُکھ دیا جسقدر ایذائیں اس بے گناہ اور مظلوم جماعت کو ان بدفطرتوں
نے پہنچائیں اُس سے تمام تاریخ داں بخوبی واقف ہیں مختصر یہ کہ دُنیا کی تاریخ میں ایک بھی
انسان ایسا نظر نہیں آتا کہ جسکی راہ میں اسقدر مصائب مختلف شکلوں اور صورتوں میں
پیدا ہوتے ہوں۔ ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی کہ جسپر اتنے مظالم روا رکھے گئے ہوں
مگر خدا کی شان دیکھئے کہ اُس نے اُسی مظلوم جماعت کا یہانتک ساتھ دیا کہ وہی فاتحانہ
حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ خدا کے جلال نے کفار پر رعب ڈالا۔ فراعین مکہ سب کے
سب ہیبت الٰہی سے مرعوب ہوگئے اور اسیرانہ حضرت نبی کریم علیہ التسلیم کے حضور میں
خود بخود حاضر ہوگئے اور اپنے کرتوتوں کو اپنے دلمیں یاد کرکے پچھتانے لگے۔ اور اس
خیال میں غوطے کھانے لگے کہ دیکھیں کہ اب ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور ہمارا
ظلم وستم اور فتنہ وفساد کیا روز بد دکھاتا ہے۔ شاہی مجرموں کیطرح دربار نبوی میں سر جھکائے
کھڑے ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں ؎

لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے
مار ڈالو اس گھڑی یا جرمِ اُلفت بخشدو

اُدہر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنی ذاتی تکالیف ہی کا بدلہ لینا ہے بلکہ اپنے
ہمراہیوں کی لاانتہا ایذاؤں اور نقصانوں کا انتقام بھی آپؐ کی زیر نظر ہے اور ان بدقماش
موزیوں کے لئے جو کچھ بھی آپؐ سزا تجویز کریں وہ عقلاً و نقلاً۔ شرعاً و عرفاً بجا اور درست ہے۔ مگر
عین اس حالت امید و بیم میں آپؐ نے اپنے دشمنوں سے فرمایا کہ یا معشر قریش ما ترون
انی فاعل فیکم۔ لوگو! تم کو کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا؟ یعنی تم اپنے

مظالم کے مقابل مجھ سے کیا اُمید رکھتے ہو میں تم سے اب کیا سلوک کر سکتا ہوں۔ چونکہ وہ لوگ حضور والا کے کریمانہ اخلاق اور شفقت و رافت اور فیاضی قلب سے ناواقف تھے اعیانِ قریش نے نہایت عاجزی سے بیک زبان عرض کیا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم ۔

آپ کی ذاتِ مقدس ہے کریم ابن کریم　　بس وہی کیجئے کرتے ہیں جو اعداسے کریم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تمام اذیتوں سے جو ان ناقدر دانوں کے ہاتھ محض انہیں کی فلاح دارین کے لئے سہی تھیں درگزر فرما کر کمال شفقت و رافت اور عفو و ترحم سے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "تم میرے بھائی ہو اور میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہ آج تم پر کوئی ملامت اور کچھ الزام نہیں خدا تم کو معاف کرتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنیوالا ہے اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ میں نے تم سب کو چھوڑ دیا۔ تم سب معاف تم پر آج کوئی گناہ نہیں (شرح الہمزیہ) یہ کہہ کر آپؐ نے اپنے تمام لشکر کو حکم دیا" کہ

لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ مِّنْكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ السِّلَاحَ بِمَكَّةَ (مسلم شریف و دیگر کتب حدیث)　　تم میں سے کسی کو بھی حلال نہیں ہو کہ آج مکہ میں قتل کیلئے ہتھیار اُٹھائے (بلکہ تم سب کو بھی میری طرح معاف کر دینا چاہیئے)

(۲) منافقوں کی جماعت سے جسقدر دُکھ اور تکلیفیں آپؐ کو اور آپ کے اصحابؓ کو پہنچیں وہ کسی اور سے نہیں پہونچیں۔ اس جماعت کا سردار ایک شخص عبداللہ ابن اُبی نامی تھا۔ یہ شخص کٹا منافق اور اسلام کا بڑا سخت دشمن تھا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو بڑی بڑی سخت تکلیفیں پہنچی تھیں۔ اکثر موقعوں پر اس نے مسلمانوں کو طرح طرح کی منصوبہ بازیوں سے بہکانے کی کوشش کی۔ آپؐ کی پاک بی بی پر تہمت تراشنے والوں کا سردار بھی یہی تھا۔ ایسا دشمنِ اسلام جب مرا تو اُسکے بیٹے نے حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپؐ اُسکے جنازے کی نماز

پڑھ دیجئے۔ صحابہؓ آپؐ کے مُنہ کی طرف تک رہے تھے کہ اُسکی شرارتوں اور بدمعاشیوں کی وجہ سے آپؐ ابھی صاف جواب دیدینگے کہ ہم ایسے دشمن کی سفارش خدا کی سرکار میں کیونکر کرسکتے ہیں۔ ایسا کہنا آپؐ کے لئے بالکل شایاں تہا۔ مگر آپؐ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے فرمایا۔ کہ "میں چلتا ہوں اور اُسکی نماز جنازہ پڑھاتا ہوں۔ یہ سُنکر حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا۔ اور حضورؐ کو نماز پڑھنے سے روکا اور قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلائی۔ کہ

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط (پ سورہ توبہ)

(اے پیغمبر!) خواہ تم اُن کے حق میں مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (انکے لئے یکساں ہے) اگر تم ستّر دفعہ بھی انکے لئے مغفرت کی دعا کروگے۔ تو خدا ہرگز انکی مغفرت نہیں کریگا یہ انکی اس فعل کی سزا ہے کہ اُنہوں نے اللہ اور اُسکے رسول کیساتھ کفر کیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں فرمایا۔ کہ "خدا نے ستر بار کے لئے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں یہانتک تمہاری دعا نہیں سُنونگا۔ تو میں ستّر بار سے زیادہ دعا کرونگا شاید قبول ہو۔" یہ فرماکر عبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ بلکہ اُس کے کفن کے لئے اپنے پہننے کا ایک کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ نماز پڑھا چکے تھے کہ دوسری آیت نازل ہوئی۔ جو اس آیت کے آگے ہے یعنی

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط (پ توبہ)

(اے پیغمبرؐ!) اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو تم ہرگز اُس کے جنازے پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اُسکی قبر پر جاکر کھڑا ہونا۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رُسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور یہ سرکشی ہی کی حالت میں مرگئے۔"

غور کرنے والے غور کرسکتے ہیں اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ آپ کے وجود باجود میں کسقدر شفقت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ستّر سے گنتی اور حصر مراد نہیں۔ بلکہ صرف کثرت مراد ہے اور یہ اہلِ عرب کا خاص محاورہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں کبھی سو

کبھی پچاس کبھی ہزار کہدیا کرتے ہیں۔ جیسے ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ۔۔۔ ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس محاورہ سے واقف تھے اور خوب واقف تھے۔ مگر بات صرف یہ ہے کہ آپؐ سرتاسر رافت و رحمت تھے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ درگزر اور شفقت آپ کی جبلت اور اُدھر خدا تعالےٰ کے عفو اور رحم سے بڑی بڑی توقعات تھیں۔ آپؐ کی پر شفقت و رافت طبیعت نے ستر کے لفظ کا ایک حیلہ بنایا اور اپنا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت کردکھایا ؎

یارب تو کریمی و رسولؐ تو کریم ۔۔۔ شکر صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

(۳) اور وہ جو عبداللہ کے کفن کے لئے آپؐ نے کُرتہ عنایت کیا تہا۔ اُسکا ماجرا بھی سُنئے! وہ درحقیقت عبداللہ کے ایک احسان کا معاوضہ تھا کہ حضرتؐ کے چچا عباسؓ جب مُسلمان ہوئے تو فی الوقت اُن کے کپڑے بدلوانے پڑے۔ وہ آدمی تھے لحیم وشحیم۔ عبداللہ کے کُرتے کے سوا اور کسی مُسلمان کا کرتہ اُن کے بدن میں نہ آیا۔ اللہ اللہ! شفقت و رافت کے ساتھ کیسی غیور طبیعت واقع ہوئی تھی کہ ایک کُرتے کے احسان کو بھی اُتار رہے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جنپر اگر مخالفین انصاف کی نظر ڈالیں تو اُنہیں آپؐ کے انسان کامل ماننے اور اپنی عقیدت کو آپ سے بڑھانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ (یہ واقعہ اکثر کتب حدیث وتفسیر میں بوضاحت درج ہے)۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خالہ زاد بھائی مِسطح نامی تھا۔ وہ بڑا مفلس تھا۔ مگر ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں آرہا تہا۔ اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تہا۔ چونکہ وہ بہت غریب اور نادار تہا اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ روپیہ پیسہ سے اُسکی مدد کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے حرمِ محترم کی نسبت واقعۂ بُہتان کے چرچے میں وہ بھی شامتِ اعمال سے شریک ہوگیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو جب پتہ لگا تو وہ اسکی امداد سے

دستکش ہوگئے۔ اور آپ کا دستکش ہوجانا بالکل راستی اور انصاف پر مبنی تھا جب حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بلا کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مسطح کی سفارش کی ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ کہ

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ	تم میں سے جو لوگ بزرگ (منش) اور صاحب
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	مقدور ہیں قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا	راہ میں ہجرت کرنیوالونکو (مدد خرچ) نہ دینے کی قسم
وَلْيَصْفَحُوا ۱۸ (پ ۱۸ سورۂ نور)	نہ کھا بیٹھیں بلکہ (چاہیئے کہ اُنکے قصور) بخشدیں

اور درگزر کریں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سُنکر اپنی امداد بدستور جاری کر دی۔ یہ واقعہ بھی اسلامی اخلاق و صداقت کا ایک کافی ثبوت ہونے کے علاوہ صدیق اکبرؓ کی للّٰہیت کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے تئیں اسلام پر وقف کر ہی رکھا تھا! اسلام کے مقابلے میں آپؐ کو نہ اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی۔ نہ دُنیاوی آبرو کی۔ آپؐ کی دوستی و محبت بھی خدا ہی کے لئے تھی۔ اور دشمنی و عداوت بھی خدا ہی کے لئے۔ مختصر یہ کہ اُمت کے حال پر اسدرجہ کی شفقت حضورؐ کا ایک ایسا حق ہے جس سے ہم لوگ سبکدوش ہو ہی نہیں سکتے۔ غور کرو کون ایسا انسان ہے جو نہ صرف اپنوں اور یگانوں سے ہی بلکہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں سے بھی اسدرجہ کی شفقت و رافت عفو و رحم سے کام لیتا ہو۔ کاش! مسلمان اس اسوۂ حسنہ کو مدنظر رکھتے اور اپنی حالت کا اس سے موازنہ و مقابلہ کرتے۔ تو آج یہ خانہ جنگی اور باہم گتھا گتھی کی نوبت نہ پہنچتی ؎

شنیدم کہ مردان راہِ خدا	دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
تُرا کے میسّر شود ایں مقام	کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

(۵) حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رافت اس درجہ کی تھی کہ

ہر ایک شخص یہی سمجھتا تھا کہ مجھ سے آپؐ کو زیادہ محبت ہے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک صحابی کا حال دریافت فرماتے اور مناسب سلوک فرماتے (بخاری شریف)

(۶) آپؐ کی شفقت ورافت کا یہ حال تہا کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی آپؐ کا ہاتھ پکڑکر اپنے کام کے لئے جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی اور آپؐ بوجہ تواضع اور اہلیت عذر نہیں کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۷) ایک دن ایک عورت راستہ میں آپؐ کو مل گئی۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ مجھے آپؐ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ "میں حاضر ہوں جہاں چاہے مجھ سے اپنا ماجرا بیان کر۔" اُس عورت نے آپکو وہیں ایک گلی میں بٹھالیا۔ اور آپؐ اُسکی خاطر وہیں گلی میں بیٹھے رہے (کیمیائے سعادت) اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ وہ عورت آپؐ کو گلیوں میں لیکر پھرتی رہی جب تک اُسکا مطلب پورا نہ ہوا۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ اس عورت کا دماغ پھرا ہوا تھا۔

(۸) یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ایسا زبردست وسیع خلق عظیم مرحمت فرمایا تہا کہ آپؐ کے حد سے زیادہ دشمن جانی بھی موقع پڑنے پر آپؐ کے اخلاق حسنہ کے بے اختیار قائل ہو جاتے تھے۔ نوجوان مردوں اور عورتوں پر جو شفقت آپؐ فرمایا کرتے تھے اُسکی کوئی حد نہ تھی۔ مگر خاصکر بچوں اور بوڑھوں پر جس شفقت ومحبت سے حضورؐ پیش آیا کرتے تھے اُسکی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فقروعار کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس رسم بد کا ایسا قلع وقمع ہو گیا کہ جو کسی دنیوی قانون سے ہرگز ممکن نہ تہا حضورؐ کا بچوں کے لئے رحمت ہونے کے لئے یہی کافی ہے

(۱۰) عام بچوں کے ساتھ اور بالخصوص یتیم بچوں کے ساتھ آپؐ کو کمال محبت تھی جب کوئی نئی چیز آتی حضورؐ بچوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اکثر دیکھا جاتا کہ آپ بچوں کو کاندھوں پر

اُٹھائے پھرتے حضرت سہیل بن سعد فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میں اور یتیم کا متکفل خواہ وہ یتیم اُسکے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہونگے اور آپؐ نے انگشت سبابہ و وسطیٰ کے ساتھ اشارہ فرمایا۔

(۱۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے صحابی رضؓ پیچھے صف بستہ استادہ تھے۔ صاحبزادہ حسینؓ آئے اور آپؐ جب سجدہ میں گئے تو آپؐ کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے جب تک خود اُٹھ کر نہ چلے گئے حضورؐ نے سجدہ سے سر نہ اُٹھایا۔ صحابہؓ نے صاحبزادہ سے کہا کہ تم کیسے بیباک ہو گئے کہ ہمارے نبیؐ کی گردن پر بیٹھ جاتے ہو۔ آپؐ نے فرمایا "کچھ نہ کہو یہ جو کچھ کریں ہمیں منظور رہے۔" (اکثر کتب حدیث وسیر)

(۱۲) ایک دفعہ ایک بُڑھیا عورت آپؐ کے پاس آئی۔ آپؐ نے اپنی چادر مبارک اُسکے نیچے بچھادی اور نہایت مؤدبانہ لہجہ میں فرمایا۔ اے مادر مہربان آپ کا آنا مبارک ہے۔ آپ جس کام کیلئے آئی ہیں وہ بے دریغ فرمائیں میں اُسکو پورا کرونگا چنانچہ اُس نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ آپؐ نے بہت سا سامان مال غنیمت میں سے اُسکو عطا کیا۔ اُس بُڑھیا نے اُس سامان کو بعوض ایک لاکھ درم کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ لکھا ہے کہ یہ بُڑھیا عورت آپؐ کی دایہ تھی جس نے آپؐ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔ (کیمیائے سعادت)

(۱۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ فتح مکہ کے بعد اپنے ضعیف۔ محروم البصر باپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیعت کے واسطے لائے حضورؐ نے ارشاد فرمایا "تم نے ضعیف کو کیوں تکلیف دی۔ میں خود چلا آتا۔

(۱۴) آپؐ کا مبارک ارشاد ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ

لیس منّا من لم یرحم صغیرنا و یوقر کبیرنا (الحدیث رواہ الترمذی) جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم (یعنی مسلمانوں) میں سے نہیں ہے

مگر سچے مومن جہاں میں وہی ہیں   وہی جنتی اور شریف آدمی ہیں
کریں جو کہ چھوٹوں پہ رحم اور شفقت   بڑوں کی کریں عزت قدر و عظمت

(۱۵) ایکبار حضرت امام حسنؓ کے مُنہ پر پیار سے بوسہ دیا۔ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ میرے دس بیٹے ہیں میں کسی کو اسطرح پیار نہیں کرتا۔ آپ نے اسکے جواب میں فرمایا۔

مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ (بخاری و مسلم) کہ جو کسی پر رحم نہ کریگا اسپر خدا بھی رحم نہ کریگا۔

نہیں جو کہ اوروں پہ ہی ترس کھاتا   خدا کو نہیں اسپہ کچھ ترس آتا

(۱۶) آپ کا ارشاد تھا کہ دوسروں کی باتیں مجھے نہ سُنایا کرو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب دُنیا سے جاؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو (شفا)

(۱۷) آپ عبادات نافلہ چھپکر ادا فرمایا کرتے تاکہ اُمت پر اسقدر عبادت کا کرنا شاق نہ ہو جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آتیں تو از راہ شفقت و رافت آسان کو اختیار فرماتے۔ (بخاری)

(۱۸) ایک بار سورج گرہن ہوا۔ نماز کسوف میں حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روتے تھے اور دعا فرماتے تھے جس سے آپ کی شفقت و رافت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ آپ کی دعا کے یہ الفاظ تھے کہ

رب الم تعدنی ان لا تعذبھم وانا	ای پروردگار تونے وعدہ فرمایا ہو کہ ان لوگوں کو عذاب
فیھم وھم یستغفرون ونحن	نہ دیا جائے گا جبتک میں ان لوگوں کے درمیان
نستغفرک۔ (زاد المعاد)	موجود ہوں اور یہ سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔

(۱۹) آپؐ کا مبارک ارشاد ہے جو شفقت و رافت کی جان ہے جسکو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الے عیالہ ؂

یہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا
پیارا ہے سب سے وہی کبریا کا
ہے جسکا سلوک اسکے کنبہ سے بہتر
ہے خلق خدا سے محبت سراسر

عفت و عصمت اور شرم و حیا

انسانی اوصاف میں شرم وحیا بھی ایک اعلیٰ شرافت ونجابت کا جوہر ہے۔ تزکیۂ قلب اور تصفیۂ روح کیلئے یہ ایک بہترین نسخہ ہے۔ اس لئے حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ارشاد ہے کہ شرم وحیا ایمان کی علامت ہے۔ اور شرم وحیا ہی عفت وعصمت کا حصن حصین ہے ؎

نہیں شرم کچھ جسکو خلق اور خدا سے
بچیگا وہ کیونکر گناہ اور خطا سے
حیا کی صفت جس بشر میں نہیں ہے
نہ ایمان ہے اسکا قایم نہ دین ہے

۱۔ اس خاص وصفِ شرم وحیا میں بھی مثل دیگر اوصاف حسنہ کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس اعلیٰ مقام پر تھے کہ اگر آپ کو شرم وحیا کا معدن کہا جائے تو بجا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ پردہ نشین اور کنواری لڑکیوں سے زیادہ حضور انورؐ میں حیا تھی۔ جب کوئی بات خلافِ مزاج مبارک سُنتے (یعنی شرم سوز) تو فوراً چہرۂ مبارک سے معلوم ہو جاتا تھا (بخاری شریف وشفا)

۲۔ سلیمان بن صردؓ کہتے ہیں کہ ایک دن دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے تو آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔ اور آپ کی رگیں پھول گئیں یعنی آپؐ ایسی بے شرمی کی باتوں سے سخت ناراض ہوتے تھے۔ بخاری شریف)

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تکلیف اُٹھا لیتے لیکن دوسروں سے (شرم وحیا کی وجہ سے) نہیں فرماتے تھے۔ ام المؤمنین صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند آتی تو اُس کا نام لیکر منع فرماتے بلکہ عام الفاظ میں

اُس حرکت و فعل کی نہی فرما دیتے۔ (شفا و ابو داؤد)

۴۔جب کوئی شخص قصور کی معافی چاہتا تو حضورؐ شرم سے گردن جھکا لیتے (شفا)

۵۔حضرت صدیقہؓ کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے (خلوت و جلوت میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برہنگی کو کبھی نہیں دیکھا۔ (شفا و ترمذی شریف)

۶۔آپؐ میں شرم وحیا اسقدر تھی کہ ایک دفعہ جب آپ نابالغ تھے اور خانہ کعبہ کی مرمت کے لئے اینٹیں ڈھو رہے تھے۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ کو دیکھا کہ آپ کا کندھا اینٹوں کی رگڑ سے چھل گیا ہے۔ دفعتہً آپؐ کے چچا نے آپ کے تہ بند کو کھولکر آپؐ کے کندھوں پر رکھدیا۔ اور کہا کہ بیٹا کیوں یہ کپڑا اینٹوں کے نیچے نہیں رکھ لیتے مگر تہ بند کا کھلنا تہا کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مارے شرم کے آپؐ نے اپنے مُنہ کو آسمان کی طرف کرلیا جب تک پھر تہ بند اُسی طرح نہ باندھ دیا گیا (بخاری شریف)

۷۔آپؐ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ اگر کبھی آپ کا ستر کُھل جاتا تہا تو آپؐ رونے لگتے تھے اگر ڈھانکنے میں کچھ توقف ہو جاتا تو غیب سے پوشیدہ کیا جاتا تہا۔ حقیقت میں آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے بچپن ہی سے قلبِ سلیم عطا فرمایا تہا جسمیں عفت و عصمت حیا۔ و امانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

۸۔آپؐ کے شرم وحیا کا یہ حال تہا۔ کہ آپؐ نے ہاتھ پیر اور چہرہ کے سوا جسم کا کوئی حصّہ خصوصاً ستر عورت کبھی برہنہ نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ مرد کے لئے جسم میں ناف سے زانو تک حصّۂ بدن کو چھپانا فرض ہے۔ اور اسکے علاوہ دیگر حصص جسم کا برہنہ کرنا روا ہے۔ لیکن حضرت رسولکریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پشت اور شکم تک کو نہ کھولتے۔ اور خواب و بیداری۔ مجمع و تنہائی۔ ہر موقع پر جسم کو لباس سے پوشیدہ رکھنے میں کامل احتیاط فرماتے تھے۔ آپؐ ہر وقت نگاہ نیچی رکھتے۔ کسی کا عیب دیکھنے یا معلوم کرنیکی کوشش نہ فرماتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی بُری بات پر نظر جا پڑتی تو فوراً اُس طرف سے

نگاہ پھیر لیتے۔ اور پردہ پوشی اور اغماض پر عامل رہتے۔

۹۔ حضرت صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ قسم ہے خدائے تعالےٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ نے کسی غیر عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے اور بیعت لیکر زبانی ارشاد فرمادیتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی (بخاری شریف)

۱۰۔ ایکمرتبہ کسی کو خلافِ قاعدہ وضو کرتے دیکھا۔ اُسے بتانا آپؐ کا فرض تہا مگر بتقاضائے حیا زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ اُس آدمی کے روبرو وضو کرکے اُسے دکھایا اور فرمایا کہ یوں کرنا لازم ہے۔

۱۱۔ ۲۵ سال کی عمر تک حضورؐ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے شادی نہیں کی۔ تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوان شباب کا عالم تہا کمال عفت و عصمت۔ شرم و حیا سے بسر ہوا جب دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضور پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر با شرم و حیا تھے تو اب اس بات کے مان لینے میں کسی عقلمند کو کوئی تامل نہیں ہوسکتا کہ آپؐ تمام لوگوں سے بڑھ کر ایک ایسے شرم و حیا اور عفت و عصمت کے مالک تھے کہ جسکی نظیر تلاش کرنا محال ہے۔

۱۲۔ آپؐ کی عفت و عصمت کا سب سے بڑا اور عمدہ ثبوت پردہ کی مشروعیت ہی۔ آغاز اسلام میں عورتیں بے پردہ و بے نقاب رہتی تھیں اور آپؐ بحیثیت معلّم اخلاق ہونیکے اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ عورت کی بے پردگی اور مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ اور آزادانہ میل جول نہایت خطرناک بات ہے اس سے بدکاری کی تحریک پیدا ہوتی اور اخلاق و عصمت کو خراب کردیتی ہی۔ لہذا عورت کو پردہ کا حکم دیا اور منع کیا کہ اپنا زیور اور سنگار خاص شوہر یا اُن رشتہ داروں کے سوا جن سے نکاح حرام ہے اور کسی پر ظاہر نہ کرے۔ یہ محض اس لئے کہ بدچلنی اور آوارگی کی پہلی تحریک نظارہ بازی سے ہوا کرتی ہے اور گو یہ آنکھوں سے دیکھنا زنا اور گناہ نہیں مگر پھر بھی یہ گناہ کا

پیش خیمہ ضرور ہے اس لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے علاوہ یہ بھی تاکید فرمائی کہ وہ اپنے پاکیزہ اطوار کو نہ بدلیں و بدنظری سے محترز رہیں تاکہ وہ گناہ سے بچے رہیں ؎

نہیں جسکی آنکھوں میں شرم و حیا ہے   گناہوں کے کرنے میں بیباک کیا ہے

۱۳- قرآن کریم کا ایک عام اصول ہے کہ وہ مبادئ گناہ تک سے روکتا ہے جو تقویٰ اللہ کی باریک سے باریک راہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے تمام مومنین کو شرم وحیا کیلئے غض بصر کی ہدایت فرمائی ہے جو اُن کے لئے پاک اور بہترین نتائج کی ثمر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس پاک اسوہ پر ہدایت اور عمل کی توفیق بخشے۔ آمین !!

ازواج مطہرات کے ساتھ محبت

تمام مخلوق کی ترکیب پر نگاہ دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے تو وہ چیز اپنے حال پر ہے اور اگر وہ اعتدال سے کم وبیش منحرف ہے تو قریب بہ زوال ہے۔ ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال گویا اُسکی جان ہے اسی طرح فطرت کی جان فطرتی اعتدال ہے۔ اگر گردوں کی کشش اپنے اعتدال سے ذرا منحرف ہو تو سارا عالم تہ و بالا ہو جائے۔ آفتاب و ماہتاب ٹکرانے لگیں کوہ و دریا ذرے بن بن کر اُڑ جائیں۔ اسی طرح سمجھو کہ مذہب کی جان مذہبی اعتدال ہے۔ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر کام چاہے دنیاوی ہو یا دینی سب میں اعتدال ملحوظ رکھنا ضروری اور لابدی ہے۔ ورنہ حقیقی کامیابی کا محال ہے۔ اب اس اعتدال کا سبق اگر قانون فطرت سے لیا جائے تو یہ قانون ایشیا۔ یورپ افریقہ اور امریکہ ہی کی چار جلدوں میں مجلد نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح یہ قانون سارے برِ اعظم میں ہے اُسی طرح سات بحر اعظم میں بھی ہے

جس طرح خشکی میں ہے ویسا ہی تری میں بھی ہے۔ جزیروں میں بھی اور ہوا کے ذروں میں بھی ہے۔ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی ہے۔ چاہے آسمان کو جو کچھ سمجھو مگر قانون فطرت ہر جگہ دائر و سائر ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے چونکہ زمانہ کی ترقی۔ دماغ کی ترقی۔ عالم شباب کو نہ پہنچی تھی۔ اس لئے اُسوقت کا اعتدال کچھ اور رہا اور اُسی کے مطابق الٰہی تعلیم نازل ہوتی رہی۔ مگر جب زمانہ ترقی کر گیا یعنی دماغ نے اپنا پورا عروج اور کمال حاصل کرلیا تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اور ایسا قانون لائے جو دماغ و فطرت دونوں کے کمال کے مطابق ہے اور اعتدال پر مبنی ہے جو غایت مقصود رسالت ہے۔ پھر جب ایسے نسخے جو سراسر اعتدال پر مبنی ہوں موجود ہوں تو چاہے گرم ملکوں میں استعمال کرو چاہے سرد ملک میں چاہے گرم موسم میں۔ چاہے سرد موسم میں مگر وہ تمام ہر جگہ اور ہر وقت یکساں مفید پڑینگے۔ زمانہ ہزاروں پلٹے کھائے ہزاروں اُلٹ پھیر ہوں ہزاروں ترقیاں ظہور میں آئیں۔ چاہے زمانہ اسی عالم شباب میں رہے یا دو چار ہزار برس کا اور پُرانا ہو جائے۔ مگر یہ نسخے بالکل فطرت کے مطابق مزاج کے موافق بنے ہوئے ہیں اُسی وقت غیر مؤثر ثابت ہونگے جسوقت فطرت بدل جائیگی اور فطرت کا مزاج حد اعتدال سے منحرف ہو جائیگا جب فطرت نہیں بدل سکتی تو اسلامی قوانین بھی جو سراسر اصول فطرت پر مبنی ہیں ہرگز نہیں بدل سکتے۔

جب قانون فطرت نے بدیہی طور پر یہ دکھلا دیا ہے کہ گرم ملک ہو یا سرد لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے بلحاظ ان کی پیدائش اور ان کے بانجھ ہونے اور ایام حمل۔ ایام نفاس اور ایام رضاعت کے مردوں کو چار نکاحوں کا مجاز بھی کیا ہے جو ہر حالت اور ہر صورت میں مناسب موقع و محل۔ جائز ضرورت

اور لابدی حاجت کے لئے بہترین نسخہ ہے ۔

یورپ کا مذہبی قانون نہیں بلکہ ملکی آئین ہے ۔ (کیونکہ بائبل میں اسکی ممانعت نہیں اور اکثر اولوالعزم رسولوں کی بہ تعداد کثیر بیویاں بیان کیگئی ہیں) کہ وہ کثرت ازدواج کو بہت بڑا عیب جانتے ہیں مگر ہماری قوم بھی عجیب قوم ہے ۔ جب کسی سفید زبان سے نکلا فوراً مان لیا اور لگے قرآن کریم کی تاویل کرنے اور کہنے کہ قرآن پاک کی رو سے بھی جائز نہیں ۔ ایسے لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ توراۃ میں اسکی نسبت کیا ہے ۔ اسلام ہی میں یہ قاعدہ جاری ہوا ہے یا پہلے بھی تھا؟

افسوس ہے ایسے لوگوں پر ۔ انہوں نے اتنا نہیں سوچا اور نہ غور کرنے کی زحمت گوارا کی کہ عرب کی آب و ہوا اور یورپ کی آب و ہوا میں بہت بڑا فرق ہے ۔ عرب کی آب و ہوا اور یورپ کی اور ۔ یورپ کے رسم و رواج عرب کے لئے کسی حالت میں کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا ۔ عرب کے لوگ قوی تھے گرم مزاج رکھتے تھے ۔ وہ ایک بیوی رکھ کر شہوت پرستی اور بے حیائی سے نہیں بچ سکتے تھے کئی کئی بیویاں رکھتے تھے ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر اس کا انسداد کیا ۔ کثرت ازدواج توریت میں جائز تھی ۔ آپ نے ضرورت کے لحاظ سے اسکو معدوم نہیں کیا بلکہ اسکے مٹانے کی ترکیب نکالی ۔ ہر ایک شخص اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ جسکے دو بیویاں ہوں ۔ اُنمیں کیسے جھگڑے ہوتے ہیں ۔ کیسی بُری گت بنتی ہے ۔ مقدس اسلام نے اس کو سُلجھانے کی تدبیر نکالی ۔ قرآن پاک نے عدل کی شرط لگا دی ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ انسان عدل نہ کر سکے تو پھر ایک ہی بیوی ہونی چاہیئے ۔

حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عدل کی تشریح ایسے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اگر انسان خالی الذہن ہو کر اُسپر غور و فکر کرے تو اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کا حکیمانہ طرز اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالکر اسکو درجۂ اعتدال پر لانے کا حد سے زیادہ

خواہشمند ہے اور اس بات کے لئے کہ اگر کسی کی دو یا دو سے زیادہ چار تک بیویاں ہوں
تو اُسکو اپنی بیویوں میں کس طرح کا برتاؤ اور حسن سلوک اور عدل و انصاف مدنظر رکھنا
چاہیئے اسکا نمونہ خود اپنی ذات میں دکھا دیا۔

ایک سعید الفطرت انسان جسقدر غور و خوض کر کے تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی
کرے گا حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک حالات سے واقفیت پیدا کریگا
اُسی قدر اُسکو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا۔ کہ آپ مکمل اخلاق اور تمام اوصاف حسنہ
سے ایسے متصف تھے کہ ویسے اخلاق اور اوصاف کا کسی دوسرے انسان میں تلاش
کرنا محال ہے۔ آپؐ کی معاشرت کے وہ طریق جو آپؐ اپنے گھر میں اپنی بیویوں سے
مختلی بالطبع وقتوں میں برتتے تھے اور جس حسن اخلاق اور محبت سے اپنی بیویوں سی پیش
آتے تھے۔ اُسکی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپؐ پر وحی کا نزول ہوا
آپؐ گھر میں آئے۔ اپنی بیوی صاحبہ کو یہ ماجرا سُنایا۔ انہوں نے عرض کیا۔ مبارک ہو
میں دیکھتی ہوں آپ اقربا پر شفقت فرماتے۔ سچ بولتے۔ رانڈوں یتیموں بیکسوں کی دستگیری
فرماتے۔ مہمان نوازی کرتے۔ اصلی مصیبت زدوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس لئے
میرا خیال ہے کہ خدا آپ کو یونہی نہ رکھیگا" نبوّت کے پہلے ہی دن آپ کی بیوی حضرت
خدیجہؓ کا اسلام قبول کر لینا آپؐ کی پاک باطنی اور سچائی قلب کی کامل شہادت ہی۔

اپنی بیویوں کے ساتھ آپ کا جیسا بے نظیر برتاؤ تہا۔ وہ ایک انسان اور ایسے
انسان کیلئے کہ جسکا دل تعصب اور دشمنی سے پاک ہو۔ اُس کامل و اکمل ہادی کی
صداقت اور سچائی کے تسلیم کر لینے کے لئے مقناطیس کا کام دیتا ہے۔ اس بارہ میں حضرت
صدیقہؓ سے بڑھ کر اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ہم پر بڑی شفیق تھے
کبھی اُنہوں نے کوئی کام کرنے کے لئے ہمیں نہیں فرمایا۔ کبھی نہیں فرمایا۔ کہ میری خاطر
کرو۔ بلکہ خود ہماری خدمت کے لئے کمربستہ ہو جاتے تھے (بخاری و مسلم)

اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر میں کیا کیا کام کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرتؐ گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے (بخاری)

ایک بار آپؐ نے اپنی بیوی عائشہؓ اور حفصہؓ کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا کیونکہ اُنہوں نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا۔ (بخاری شریف) ایسا کرنا آپؐ کا دو وجہوں سے تھا ایک تو اس وجہ سے کہ وہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ اسطرح سلوک فرما کر یہ سکھانا چاہتے تھے کہ تمہاری بیویوں کو جن چیزوں سے نفرت ہو اور وہ اُن کی طبع کے خلاف ہوں تو اُن کو ترک کر دو۔ تاکہ تم دونوں میں کسی طرح کی شکر رنجی پیدا نہ ہو جائے۔ اور دوسرا زہد و اتقا کی نیت سے کسی حلال شئے کے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ مگر اللہ عزوجل نے یہانتک زہد کو بڑھانے سے منع فرمادیا۔ اور فرمادیا

یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (پ ۲۸ تحریم ع ۱) اے نبی! جس چیز کو خدا نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو نے اُسکو اپنی بیویوں کو خوش کرنیکے لئے کیوں اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔

آپؐ جب کبھی سفر میں باہر جایا کرتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے کہ اپنے ساتھ کسے لے جاؤں یہ آپؐ کے عدل و مساوات کا حال تھا اور حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب بیماری کے بڑھ جانے سے بہت لاچار ہو گئے تو آپؐ نے میری گھر میں رہنے کے واسطے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی اُنہوں نے اجازت دیدی اور آپؐ میرے گھر میں اخیر وقت تک تشریف فرما رہے۔ بخاری شریف)

آپؐ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا اور نہ کبھی لعنت کی (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے (اپنی بیوی بچوں یا غلام) کسی کو مارے تو چاہیئے کہ مُنہ پر مارنے سے بچے (بخاری شریف)

آپؐ کا ارشاد پاک ہے۔ عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی۔ ہڈی کو اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ اور اگر اُس سے کام لینا چاہو گے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی (بخاری شریف)

آپؐ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا "جیسا تم آپ کھاؤ پہنو ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور (خبردار) بہت مار دھاڑ مت رکھو اور اُن کو ذلیل اور حقیر مت کرو اور ایک روایت میں ہے پورا مومن وہ ہے جو اچھے خلق والا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح گزران کرنیوالا ہے (مشکوٰۃ)

عورت کی عزت اور اختیارات کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہاں تک وسیع کیا ہے کہ آپ نے فرمایا

المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمراں ہے (بخاری شریف)

حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نگاہ مبارک میں عورت نفاست و نزاکت اور ضعف خلقت کی وجہ سے ایسے سلوک و احسان کی مستحق ہے کہ وہ ہمیشہ آرام و آسائش میں رہے۔ عورتوں کے حقوق کی رعایت کے مدعی ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جیسا کہ آپ نے دکھایا۔ (ھاتوا برھانکم انکنتم صادقین)

ایک دفعہ ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اونٹوں کی مُہار پکڑے جاتا تھا۔ حدی خوانی کرنے لگا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "دیکھ کانچ کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا (مسلم شریف)

آپؐ نے فرمایا کہ مجھے دُنیا کی چیزوں سے تین چیزیں بہت مرغوب ہیں۔ خوشبو۔ عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز (مشکوٰۃ شریف) یہ فرمانا آپ کا عورت کی عزت وعظمت کا دل میں بٹھاتا تھا۔

آپؐ کو اپنے اخلاق کریمہ اور سیرت فاضلہ پر اسقدر اطمینان اور بھروسہ تھا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو کچھ وہ آپ سے دیکھیں اُسکو عام لوگوں تک پہنچا دیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کے متعدد نکاح کرنے کی ایک بھاری وجہ یہی تھی کہ آپؐ کی اندرونی معاشرت اور خانہ داری سے دنیا واقف ہو جائے۔

حقیقت میں ازواج سے محبت آپؐ کو محض للہ تھی۔ باوجودیکہ بہت سی بیویاں آپؐ کے نکاح میں موجود تھیں مگر آپؐ خود خدیجہؓ کو بہت یاد فرمایا کرتے چنانچہ سرد آہ بھرتے اور فرماتے "آہ! خدیجہ! حضرت صدیقہؓ دریافت فرماتیں۔ کہ کیا خدیجہؓ بوڑھی نہیں تھیں؟ آپؐ جواب میں فرماتے کہ "مجھے خدیجہ اس لئے یاد آتی ہے کہ وہ سب سے پہلے مجھپر ایمان لائی تھی"۔ حضرت خدیجہؓ سے جب حضور نے شادی کی تھی تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آپؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ اس شادی سے آپ کا مقصود ایک تو عقدِ بیوگان کی ضرورت اور عظمت پر نمونہ دکھلانا اور عقدِ ثانی نہ کرنے کی مذموم رسم کو دور کرنا تھا۔ اور بعض دیگر باتوں میں ایک بات یہ بھی مقصود تھی کہ ہم متاہل زندگی میں بھی شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

بعض نادان انسانوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھا کر یہ سمجھا ہے کہ آپؐ کو اپنی بیویوں سے محبت نفسانی خواہش اور رغبت کے لئے تھی ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بیشک دُنیا اسی لئے کمائی جاتی ہے کہ اس سے انسان اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو راحت و آسائش میں رکھے اور بادشاہانہ شان و شوکت دکھائے۔ عیش وعشرت میں بسر کرے۔ اچھا کھائے اچھا پہنے۔ آرام سے سوئے مگر تاریخ شاہد ہے کہ کبھی لگاتار تین دن بھی

آپ نے روٹیاں نہ کھائیں کبھی شکم سیر ہو کر نہ کھایا بوریئے پر سوتے تھے جس سے
بدن پر نشان پڑ جاتے تھے۔ اگر آپؐ اپنے ادعار نبوت میں ذرا ڈھیل دیئے ہوئے
ہوتے تو عرب اپنی رضامندی سے آپؐ کو بادشاہ بنا لینے کو تیار تھے۔ اور اُس زمانہ کی
رسم کے مطابق سینکڑوں عورتیں حسین سے حسین عیش و عشرت کیلئے مہیا ہو جاتیں مگر آپؐ
نے تمام عمر بجائے عافیت و آرام کے مصیبتیں اُٹھائیں تکلیفیں سہیں اور سوائے
حضرت صدیقہؓ کے باقی سب عورتیں بوڑھی اور جو کئی کئی نکاحوں میں آچکی تھیں انکو
اپنے نکاح میں لانا پسند کیا۔ کاش کوئی اس راز کو سمجھنے کی تکلیف گوارا کرے تاکہ اسکو
ہدایت کے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو ؎

کار پاکاں بر بداں کردن قیاس — کار ناپاکاں بود لے بدحواس

اُن دنوں میں جبکہ آپؐ کے تمام رفقار مالامال ہو رہے ہیں۔ تمام انصار اور مہاجرین
کے گھروں میں مال غنیمت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ کسی چیز کی حاجت کسی کو باقی
نہیں۔ اس فراخی اور کشادگی کے عالم میں ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے
سوال کیا۔ کہ آپ کے گھر میں کسقدر آسائش اور راحت کے سامان موجود ہیں تو صدیقہؓ
نے جواب میں فرمایا کہ "خیبر سے فصل پر کچھ جو آ جاتے ہیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم اپنے مختلف گھروں میں تقسیم فرما دیا کرتے ہیں۔ اُن جوؤں کو ہم خود کوٹ کر
پیس کر آٹا بنا لیتے ہیں اور منہ کی پھونک سے آرد جو پر سے بھوسی کو دور کر لیا جاتا ہے۔
کہیں کھجوریں۔ سرکہ یا شہد میسر آگیا تو وہ سالن کا کام دے جاتے ہیں والآخیر
نان جویں پر ہی گزارہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے نقشہ اُس خدا کے پیارے محبوب کے گھروں کا جس سے کسی عقلمند کیلئے
اس نتیجہ پر پہونچنا کیا مشکل ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت محض للہ تھی۔ کسی
خواہش نفسانی پر مبنی نہیں تھی اس مسئلہ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے حضور کی زندگی

کے اُس مشہور واقعہ کا بیان کر دینا اور بھی زیادہ مفید و نافع ہوگا کہ ایک دفعہ حضورؐ کی بیویوں نے اپنے مقدس شوہر کی اُس داد و دہش کا حال سُنکر جو آپؐ اپنے صحابہؓ اور عام فقراء و مساکین کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ عرض کرتی ہیں کہ حضورؐ کچھ ہمیں بھی ملنا چاہیئے۔ بیوی سے بڑھ کر کون حقدار ہے۔ مگر آپ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَہَا (اے بیبیو!) اگر تم دُنیا کی زندگی اور اسکی فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ وَاُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحًا ساز و سامان کی طلبگار ہو۔ تو آؤ میں تمہیں جَمِیۡلًا (پ۲۱ احزاب ع ۳/۲) (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس حکم کو سُنکر میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو اللہ و رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں اور بیبیوں نے بھی ایسا ہی کہا (بخاری شریف کتاب تفسیر القرآن)

اب بھی اگر کسی نادان شخص کو اسپر ایمان نہ ہو کہ آپؐ کا محبت کرنا اپنی بیویوں سے محض للہ تھا اور آپؐ کے حسن اخلاق کا نتیجہ تھا تو سوائے اسکے کہ اُن کے لئے دعائے ہدایت کی جائے اور کیا ہو سکتا ہے مسلمان اگر اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے تو آج ان کے گھر جنت کا نمونہ ہوتے اور دنیا کی قومیں ان کو دیکھ کر اتنا کچھ شور اور واویلا تعدد ازدواج کے متعلق نہ مچائیں۔ جیسا کہ مچایا جاتا ہے۔ پس ایسے مسلمانوں کو بھی شرم کرنی چاہیئے کہ جو اس مسئلہ پر کئی طرح کی بیجا تاویلات کرتے ہیں یا اپنی بیویوں سے حسن سلوک اور عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔

آپؐ کی گزران اور اسبابِ معیشت

یہ بالکل سچ اور بجا ہے (جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں)، کہ نبوت کے

دعوے کی دلیل نبی کی زندگی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ دلیل کے لئے ضرور ہے کہ اسکا نتیجہ براہِ راست مخاطب کو تسلیم دعویٰ پر مجبور کرے۔ ایک شخص دنیا میں ظاہر ہو کر دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ہدایت وارشاد کی ایک قوت الٰہی لیکر آیا ہے اور باوجودیکہ وہ اُسی قوم اور سوسائٹی کا ایک فرد ہے۔ تاہم اُس کے اندر ایک قوت ہے جسکے ذریعہ وہ انسانوں کے اعمال و معتقدات کی صف اُلٹ دیگا اور ایک بہت بڑی پاک تبدیلی پیدا کر دیگا۔ پس ضرور ہے کہ وہ اس تبدیلی کا اولین نمونہ خود اپنی زندگی کو ثابت کرے اور جس نفس کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے وہ آیا ہے اُس سے وہ خود بھی آزاد رہے۔ وہ خبائث اخلاقی جن کے قہار و جبار لشکر کو شکست دینے کا وہ مدعی ہے اسکو خود بھی شکست دیچکا ہو۔ اس نے اپنے اخلاق و خصائل میں صفات الٰہیہ کا ایک مظہر قدسی پیدا کر لیا ہو اور وہ باوجود پورے انسان ہونے کے پھر بھی اپنے اعمال کے اندر عام سطح انسانیت سے بالاتر ایک جلوۂ حق رکھتا ہو۔ مختصر یہ کہ وہ قوائے فطریۂ انسانیہ کے جس صحتِ استعمال کا مدعی ہے خود اسکی زندگی بھی اسکی شہادت دیتی ہو۔

کون ایسا انسان ہے جسکے ہاتھ میں دولت ہو اور تمام ضروریات دنیوی کو حاصل کر سکنے کی اُس میں قوت و طاقت ہو اور پھر وہ اپنے عیش و آرام۔ آرائش و آسائش کی فکر نہ کرتا ہو اور اپنے ہم جنسوں میں اپنی فوقیت و برتری کا خواہاں نہ ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا شخص کہ اُسکے پاس ایسی قوت ہی سرے سے نہ ہو۔ تو وہ اگر ان باتوں سے کنارہ کش رہے تو کونسی بڑی بات ہے ع

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اگرچہ شہنشاہ ملنے جاتے تھے۔ آپؐ کی عزت و عظمت آپؐ کے پیروؤں کی نگاہ میں اس حد تک پہونچ چکی تھی کہ اس سے

زیادہ ممکن نہیں ہے دُنیا کے سلاطین آپ کے جلال و رعب سے کانپتے تھے۔ قیصر کفش برداری کا متمنی تھا۔ بخاشی غسالہ پا پینے کی آرزو رکھتا تھا۔ مقوقش نام سے لرزہ بہ اندام تھا۔ کسریٰ رعب سے مبہوت تھا۔ ایام فتح مکہ میں خود ابوسفیان کو یہ اعتراف تھا کہ۔ اپنی رعایا میں کسریٰ و قیصر تک کو یہ شاہانہ جلال نصیب نہیں ہے۔

علاوہ اس کے مال غنیمت میں ہزارہا قسم کے سامانِ راحت و آسائش ہاتھ آتے ہیں دولت دُنیا کی کوئی پرواہ نہیں۔ ایسی حالت میں کہ آپ خود ہی مستحقین کو دولت اور سامان راحت و آسائش تقسیم کر رہے ہیں اور ساتھی بھی اس قسم کے ہیں کہ اگر نبی کریم کل کا کل مال اپنے یا اپنے متعلقین کے مصرف میں لے آئیں تو انہیں اعتراض کیا بلکہ عین راحت ہو۔

باوجود ان تمام حالات کے۔ باوجود اس جلال شاہانہ کے۔ باوجود اس عزت و عظمت کے۔ باوجود اسقدر سامانِ راحت میسر آنے کے آپؐ بالکل فقیر تھے۔ درویش تھے۔ ایک عاجز انسان کی طرح گزر کرتے تھے ؎

تعالی اللہ زہے شانِ جلالی اور جمالی ہے
شہنشاہوں میں شاہنشاہ مسکینوں میں مسکیں ہے
نہ ایسا گھر فقیرانہ نہ دربار ایسا شاہانہ
فلک دیکھے بہت تو نے جہاں کے رنگ پر دیکھا

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نہیں پیٹ بھر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کی روٹی سے پے درپے دو دن۔ یہانتک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ (بخاری ومسلم)

(۲) حضرت سوید بن نعمان کہتے ہیں کہ خیبر کے زمانہ میں مقام صہبا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سوائے ستو کے کچھ نہ تھا چنانچہ ہمنے اُن کو کھولا اور ہم سب نے معہ حضور کے پیا۔ (بخاری شریف)

(۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا کہ جسپر آپ استراحت فرماتے تھے چمڑے کا تھا اور اُسکے اندر (روئی کی جگہ) کھجور کے پتے بھری

ہوئے تھے (بخاری و مسلم) اور شمائل ترمذی میں آیا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بچھونا ٹاٹ کا تھا۔

(۴) جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن ایک انصار کی بیوی میرے پاس آئی اُس نے ہمارے گھر میں ایک دوہری چادر حضور کے بستر کی دیکھی اُسکو بہت افسوس ہوا۔ یہاں سے اُٹھ کر سیدھی اپنے گھر پہنچی اور وہاں سے ایک عمدہ بستر حضور کے لئے بھیجا جسمیں اون بھری ہوئی تھی۔ میں نے اُس بستر کو لیکر خوشی سے اپنے گھر میں رکھ لیا جب آپؐ گھر میں تشریف لائے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ "عائشہ! آج یہ نئی چیز تمہارے ہاں کیا رکھی ہے"؟ میں نے عرض کیا حضور! فلاں انصاریہ نے آپ کے لئے بستر بھیجا ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اسی وقت اس بستر کو واپس کردو۔ یہ ہم بندوں کا کام نہیں ہے۔ قسم خدا کی اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے (شمس التواریخ)

(۵) حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں حضور کیسے بچھونے پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ جناب ام المومنین رضؓ نے جواب دیا کہ ایک ٹاٹ تہا۔ جسے ہم دوہرا کرکے بچھایا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اُسکی چار تہیں کرکے حضور کے نیچے بچھا دیا۔ تاکہ نرم رہے۔ صبح اُٹھ کر آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا۔ میں نے عرض کیا "وہی ٹاٹ ہے جو روز بچھا کرتا تھا۔ البتہ کل شب کو میں نے چار تہ کردی تھیں تاکہ ملایم ہوجائے"۔ ارشاد ہوا کہ اسے ویسا ہی کردو جیسا تھا کیونکہ اُسکی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈالدی (شمس التواریخ)

(۶) لکھا ہے کہ سرور عالم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پاس جو عبا تھی وہی آپ جہاں تشریف لیجاتے دوہری کرکے اپنے نیچے بچھا لیتے۔ آپ اکثر چٹائی ہی پر سو رہتے اور اُسکے سوائے حضور کے نیچے کچھ نہ ہوتا تہا۔ عبداللہ ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ اس بورئے کے نشان آپؐ کی پسلیوں پر دیکھ دیکھ کے مجھے رونا آتا تھا۔ (〃)

(۷) جناب عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جسوقت حضورؐ نے انتقال فرمایا۔ میرے پاس تھوڑا سا جو کا آٹا اور نصف وسق جو تھے اسکے سوائے کوئی شئے کھانے کی یا روپیہ پیسہ نہ تھا۔ (")

(۸) آپ فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی پکانے کی چیز نہیں ہوتی۔ صرف کھجوروں اور پانی پر گزراوقات ہوتی تھی (بخاری مسلم)

(۹) ابی بردہؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک چادر پیوند کی ہوئی اور ایک تہ بند موٹا نکالکر فرمایا کہ انہی دو کپڑوں میں (جو ہمارے گھر میں تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض کیگئی (بخاری و مسلم)

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُسوقت میں کہ آپؐ نزع کی حالت میں تھے ایک پڑوسن سے مانگ کر چراغ کے لئے تیل منگوایا تھا (بخاری شریف)

یہ ہے نقشہ اُس شہنشاہ کے گھر کا۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ ؎

مالک کونین تھے گو پاس کچھ رکھتے نہ تھے ‏ ‏ دو جہاں کی نعمتیں تھیں انکے خالی ہاتھ میں

حضور انورؐ لباس میں بالکل تکلف نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپؐ نے بیان جواز کے لئے نفیس اور قیمتی کپڑا بھی پہنا ہے لیکن فی الفور کسی کو بخشدیا۔ اسی لئے نفیس کپڑے کی عادت پکڑنی اور قیمتی کپڑے کی قید رکھنی خلافِ سنت ہے۔ اگرچہ اصل اباحت رکھتا ہے لیکن میانہ روی ہر جگہ محمود ہے لباس سُتھرا اور پاکیزہ پہننا آپؐ کے نزدیک ناپسند نہیں تھا بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایسا شخص ہرگز داخل نہیں ہوگا جسکے دلمیں ایک ذرہ کے برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ ہر ایک آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے کو پسند کرتا ہے (تو پھر کیا حال ہوگا) آپؐ نے اُسکے جواب میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ

اَلْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (مسلم) یعنی تحقیق خدا جمیل ہے۔ جمال اور ستھرائی کو دوست رکھتا ہے (مطلب یہ کہ اچھی پوشاک خدا کو پسند ہے) غرور نہیں بلکہ گھمنڈ اور غرور حق کو باطل کرنا۔ واجبی بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جاننے کا نام ہے۔

(۱۱) آپؐ کی گزران ایک معمولی غریب سے غریب انسان کی جیسی ہوتی ہے ویسی تھی۔ آپؐ مجلس میں جہاں کہیں جگہ ملتی وہیں ہی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے۔ اپنا کپڑا خود دھو لیتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے اونٹ کو باندھ دیتے۔ مویشی کو چارہ ڈال دیتے۔

الحاصل آپؐ کی سادگی اور بے نفسی۔ غریبانہ گزر اوقات۔ درویشانہ بود و باش سے کون ایسا سنگدل انسان ہی جو اس نتیجہ پر نہ پہونچے۔ کہ آپؐ دُنیا کے طمع اور لالچ۔ جاہ و منصب کے خواہاں تھے بلکہ آپ سچے عاشق اور سچے طالب اپنے مولےٰ کے تھے جنہوں نے خدائے تعالےٰ کی محبت میں سب کچھ کھو کر اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ ؎

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے تجھ میں تیری توئی کی بو نہ رہے

عدل وانصاف

عدل اُس پاکیزہ وصف کو کہتے ہیں جسکے اقتضائے مجرم اور نیکوکار کو اُس کے عمل کا ٹھیک معاوضہ دیا جاتا ہے اور عفو کا وصف گنہگار کے جرم سے درگزر کا محرّک ہوتا ہے۔ اگر عدل نظامِ عالم کی جان ہے تو عفو دُنیا کا جان بخش۔ کیا اچھا کہا گیا ہے ع

درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

عادل اور انصاف پژوہ حکومتیں اگرچہ عام طور پر عفو اور درگزر نہیں کر سکتیں پھر بھی خاص خاص اوقات اور مواقع پر وہ اُس وصف کی مظہر ضرور بن جاتی ہیں اور انہیں بننا بھی چاہیئے کیونکہ محض سزا و جزا ہی انسانی فطرت کے مناسب نہیں بلکہ وہ مراعات

اور رحم کی بھی خواہاں پائی جاتی ہے جسکے نہ ملنے سے نظام فطرت درہم برہم ہو جاتا ہے
ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ خاص وصف عفو و رحم
جس درجہ کا تھا اُس سے قارئین کرام واقف ہو چکے ہیں اور وہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آپؐ
اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اور نہ کسی پر غصہ اور ناراض ہوتے
تھے۔ حضرت صدیقہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) فرماتی ہیں کہ حضور کو اگر غصہ آتا تھا یا کسی
جرم کی سزا آپ دیتے تھے تو صرف اس صورت میں کہ جب کسی سے خدا کی نافرمانی
ہوتی تھی اور یہ آپ کا انتقام لینا محض خدائے تعالےٰ کے لئے ہوتا تھا (مسلم شریف)

اور بخاری شریف میں حضرت صدیقہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسولخدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے (کبھی) انتقام نہیں لیا (ہمیشہ عفو و رحم سے
معاف کر دیا) لیکن اگر خدا کی حرمت کے خلاف کیا جاتا تو آپ اللہ تعالےٰ کے لئے
اُسکا انتقام لیتے تھے"

دُنیا میں دو چیزیں ہیں۔ اخلاق[1] اور قانون[2]۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے
اور قانون کا تعلق حکومت اور اجتماع انسانی سے ہے۔ عفو و درگزر اور صلح و مغفرت
انسان کا بہترین وصف ہے لیکن اگر اُس کی ذات سے تجاوز کر کے وہ حکومت
اور جمعیتِ انسانی تک پہونچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آگیا جہاں مغفرت گناہِ عظیم
اور صفح و عفو جریمۂ کبیرہ ہے۔ یہ جرأت آموز جرائم ہوتا ہے اور برہم زنِ امنِ انسانی
قانون پر چلنے کا نام انصاف ہے اور اُس سے چشم پوشی کرنے یا اُس کی خلاف ورزی
کا نام بے انصافی ہے بے انصافی ایک ایسا ناقابل معافی جرم ہے جس سے بندگان
خدا کے حقوق کی سخت پامالی ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو یہ کہتے سُنا کہ ظالم آدمی اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے
کسی دوسرے کا کیا بگاڑتا ہے۔ تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ دوسروں کا کیوں نہیں بگاڑتا

قسم ہے اللہ تعالےٰ کی۔ چڑیا بھی اپنے گھونسلے میں ظالم کی نحوست کے سبب سوکھ کر مرجاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ رحیم تھے کریم تھے عفو و درگزر کرنا آپ کا کام تھا مگر عدل و انصاف میں آپ کسی کی رورعایت نہیں فرمایا کرتے تھے اور اس خاص وصف میں آپؐ قبل از منصب نبوّت تمام قریش میں ضرب المثل تھے۔ آپؐ کے عدل و انصاف پر تمام قریش کو پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ کو قبل از نبوت بھی اکثر معاملات میں حکم بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کی زندگی کے واقعات میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب عمر شریف آپؐ کی پینتیس ۳۵ سال کے قریب تھی تو اُسوقت کعبہ شریف کی قریش نے ازسرنو تعمیر شروع کی۔ اس مذہبی کام میں سب قبیلوں نے شرکت کی اور کام ختم ہو گیا جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا۔ ہر قبیلہ نے چاہا کہ ہم حجر اسود اُٹھائیں اور اُسکی جگہ لگائیں۔ اسکے رکھنے کے واسطے مباحثہ ہونے لگا بلکہ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو اور میرے ہی محلہ کی طرف اسکا رُخ رہے۔ حتیٰ کہ یہ جھگڑا طوالت پکڑ گیا اور ہر ایک آدمی کشت و خون پر آمادہ ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ کل جو شخص مسجد حرام میں سب سے اوّل آئے وہ اسکے بارے میں جو کچھ فرمادے اُس کی رائے پر عمل کیا جائے دوسرے دن فجر کو سب سے پہلے آپ ہی تشریف لائے اور یہ مقدمہ آپؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر بچھا کر حجر اسود اُسپر رکھا اور فرمایا کہ ہر ہر قبیلے کے سردار آئیں اور چادر کے گوشے پکڑ کر اُٹھائیں۔ جب حجر اسود اپنے موقع پر آیا آپؐ نے دستِ مبارک سے اُسکو نصب کر دیا۔ اسطرح یہ جھگڑا طے ہوا۔ قریش آپؐ کے اس انصاف سے نہایت مسرور ہوئے اور جنگ وجدل کے خیالات اُن کے دلوں سے دور ہوگئے۔ ہر ایک آدمی راضی ہو گیا اور خوش خوش گھر آیا۔ اگر آپؐ ایسا نہ کرتے تو حرم کی زمین ہزاروں آدمیوں کے خون سے لال

ہو جاتی۔ (یہ واقعہ اکثر کتب حدیث و سیر میں بہ تفصیل درج ہے)

(۲) حضرت صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت جسکا نام فاطمہ تھا اُسنے چوری کی۔ معاملہ سرکار رسالت میں پہنچا۔ گو لوگوں کو یہ خیال تھا کہ آپ خدائے تعالےٰ کے احکام میں کسی کی رعایت نہیں کرتے ضرور فاطمہ کو سزا دیں گے مگر تاہم اُنہوں نے اُسامہ رضؓ سے جو سرکار کو بہت پیارے تھے۔ سفارش کرائی۔ اُن کی سفارش کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ اُسامہ رضؓ! کیا تم حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود)

(۳) سوار بن عمر رضؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے درس کا رنگین کپڑا پہنکر گئے۔ سرکار نے خُط خُط فرمایا۔ اور چھڑی سے اُن کی شکم میں چونکا بھی دیا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تو قصاص لونگا"۔ سرکارؐ نے جھٹ اپنا شکم (مبارک) برہنہ کرکے میری سامنے کر دیا۔ (شفاء عیاضؒ) اللہ اللہ کسقدر آپؐ کو عدل و انصاف مدنظر تھا۔ اپنے نفس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور کسی حالت میں کسی کا حق غصب کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

(۴) ایک دن ایک یہودی جس سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کچھ قرض لیا تھا تقاضے کو آیا اور سختی سے مطالبہ کرنے لگا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اُسے سختی سے جھڑک دیا۔ سرکارؐ ہنس پڑے اور فرمایا۔ عمر تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اسکے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حسن ادائگی کے لئے کہتے اور اسے حسنِ تقاضا سکھلاتے۔ پھر حضور نے زید کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا "ابھی تو تین دن باقی ہیں"۔ پھر فاروق رضؓ سے فرمایا "اسکا قرض ادا کر دو۔ ۲۰ صاع زیادہ بھی دینا۔ کیونکہ تم نے اِسے بلاوجہ دھمکایا اور ڈرایا بھی ہے"۔ (شفاء عیاض)

(۴) ایک دن آپؐ اپنی ایک بیوی کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کی کسی دوسری بیوی نے ایک کابی میں کھانا بھیجا جس بیوی کے گھر میں آپؐ تشریف فرما تھے۔ اُسنے غلام کے ہاتھ جب اُسکو واپس دینا چاہا تو وہ رکابی گر گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی حضورؐ نے اُسکے ٹکڑے جمع کئے اور خادم کے ہاتھ اُس بیوی سے (جسکے مکان میں آپؐ تھے) اور نئی رکابی منگا کر اُس بیوی کے ہاں (جسکی ٹوٹی تھی) بھجوا دی۔ اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی اُس بیوی کے گھر میں رکھدی جسنے توڑی تھی (بخاری شریف)

(۵) مدینہ طیبہ میں ایک دن ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا۔ چونکہ آپؐ کی دیانت و امانت اور عدل و انصاف کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے اور یہودی برسرِ حق تھا اس لئے اُس نے مسلمان سے کہا کہ چلو تمہارے ہی پیغمبر صاحب جو فیصلہ کردیں وہ مجھ کو منظور ہے۔ آخرکار یہودی اُسکو کشاں کشاں دربارِ رسالت میں لے آیا۔ آپؐ نے مسلمان کا کوئی پاس نہ کیا۔ اور فوراً یہودی کی ڈگری کردی۔ (موضح القرآن)

(۶) عدل و انصاف کے بارے میں آپؐ کا یہ حال تھا کہ عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب تعلق والا آدمی بھی اگر کوئی ہوتا تو ممکن نہیں کہ آپؐ اُسکی کسی طرح رورعایت کریں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ آپ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپؐ کے داماد بھی تھے اور منظورِ نظر بھی ایسے تھے کہ آپؐ ہر ایک معاملہ میں اُن کی خاطر عزیز رکھتے تھے مگر عدل و انصاف کے بارے میں اُن سے بھی یہ حال تھا کہ فتح مکہ کے دن آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بُلا کر بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ کیونکہ وہ اُسوقت کعبہ کے کُنجی بردار تھے داخلی کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی یہ خواہش ہوئی اور انہوں نے سرکارِ نبوی میں درخواست کی کہ کعبہ کی کنجی ہمارے حوالے کیجائے۔ اور ہم کو کعبہ کا کُنجی بردار بنایا جائے درخواست[1] کرنیوالے ایک تو آپؐ کے چچا تھے اور دوسرے داماد جن سے بڑھ کوئی دوسرا

[1] حضرت علیؓ اور عباسؓ کے کلید کعبہ مانگنے کی یہ وجہ تھی کہ ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ حضور (صلی اللہ

قریبی رشتہ دار نہیں ہوسکتا۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ "جسکا حق ہے اُسی کے پاس رہیگا" اور کُنجی اُس کے حوالے کی۔ (لباب النقول) اور کُنجی دیتے وقت آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "ہمیشہ کنجی برادری تمہاری پاس رہیگی" (جلالین) چنانچہ آجتک یہ خدمت شیبہ ہی کے خاندان میں ہے۔

(۷) آپؐ کے زمانۂ باسعادت میں ایک انصاری کی زرہ آٹے میں رکھی ہوئی چوری ہوگئی اور آٹے کا کھوج پہلے ایک مسلمان طعمہ بن اُبیرق کے اور پھر ایک یہودی کے گھر تک لگا اور زرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ رکھوا گیا ہے۔ طعمہ سے جب پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ میں بری ہوں چور یہی ہے۔ طعمہ کی قوم نے رات کو مشورت کی کہ ہم سب ملکر دربارِ رسالت میں چلیں اور اُسکی صفائی کی شہادت دیآئیں تاکہ طعمہ بری ہوجائے اور جب ہم سب ملکر آپؐ کے پاس چلیں گے تو آپؐ ہماری ضرور حمایت کرینگے اور یہودی کو چور ٹھہرائیں گے۔ صبح کو وہ تمام ملکر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو بذریعہ وحی طعمہ کے چور ہونے کی اطلاع دیدی تھی۔ آپؐ نے اُن کو صاف فرمادیا کہ میں انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں کرسکتا فی الحقیقت چور طعمہ ہی ہے۔ (لباب النقول)

(۸) انصاف کے معاملہ میں آپ شریف اور ذلیل کی تمیز نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ سب کے ساتھ مساوی عدل و انصاف برتا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود کے دو گروہ تھے۔ ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸ - علیہ وآلہ وسلم) نے اسی عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو۔ اس نے صاف انکار کردیا تھا تو حضور نے فرمایا تھا "اچھا تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہونگا عطا کردونگا" عثمان نے جواب دیا تھا۔ کہ کیا اُس روز قریش کے سب مرد ذلیل و تباہ ہوجائیں گے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "وہ اور بھی زیادہ عزت و اقبال سے رہینگے" ان دونوں صاحبوں کے دل میں اس بات کا خیال تھا مگر حضور نے ان کی درخواست کے جواب میں فرمایا الیوم یوم البر والوفا (آج کا دن تو سلوک کرنے عطیات پورے کردینے کا ہے) پھر عثمان کو بُلایا اور فرمایا کہ "جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہوگا" منہ

زبردست تھا اور دوسرا گروہ ضعیف۔ زمانۂ جاہلیت میں اُنہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ شریف گروہ والا اگر رذیل گروہ والے کو قتل کرے تو پچاس وسق غلہ اُسکے عوض میں ادا کرے۔ اگر شریف کو رذیل مار ڈالے تو ایک سو وسق ادا کرے۔ جب آپؐ کا زمانہ آیا اور آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اتفاق سے ایک شریف کو ایک رذیل نے مار ڈالا شریف کے وارثوں نے ایک سو وسق مانگے۔ رذیل نے کہا کہ یہ قاعدہ تو زبردستی کا تھا ہمنے ڈر کے مارے قبول کر رکھا تھا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب ہم برابر دینگے۔ زیادہ کسی صورت میں نہیں دینگے۔ اسپر بڑا جھگڑا ہوا۔ آخر یہ مقدمہ سرکارِ نبوتؐ میں تصفیہ کے لئے پیش ہونا تجویز ہوا۔ چونکہ زبردست گروہ والے یہودیوں نے اپنے دلمیں یہ صلاح ٹھہرالی تھی کہ اگر آپ ہماری مرضی کے موافق حکم دینگے تو ہم مانیں گے۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے اُنہوں نے بعض منافق لوگوں کو جو در پردہ ان سے ملے ہوئے تھے آپؐ کی خدمت اقدس میں پہلے خفیہ طور پر اسواسطے بھیجا کہ آپؐ کی رائے معلوم کریں۔ اگر ہمارے موافق ہوئی تو وہاں یہ مقدمہ لے جائیں۔ ورنہ کچھ اور صورت کریں آپ کو بذریعہ وحی اس منصوبہ کی خبر مل گئی۔ اور آپؐ نے یہودیوں کو بُلا کر فرمایا کہ

انّ المقسطین عند اللہ علیٰ منابر من نور عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمہم واھلیہم وما ولوا (مشکوٰۃ عن مسلم)

انصاف کرنے والے لوگ قیامت کے دن نور کے ممبروں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے داہنی طرف بٹھائے جائینگے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دونو ہاتھ داہنی ہی ہیں مگر انصاف والے وہ ہیں جو اپنے اور پرائے کی رعایت اور جانبداری نہیں کرتے۔ بلکہ عدل و انصاف میں مساوات برتتے ہیں۔

(۱۰) آپ کو جسقدر خوشی کسی کے مسلمان ہو جانے سے ہوتی اتنی کسی اور بات سے نہیں ہوتی تھی چونکہ لوگوں کو مسلمان بنانا آپؐ کا مشن تھا۔ اس لئے مسلمان ہو جانیوالے کی ہر ممکن خدمت و رعایت آپ کو منظور خاطر ہوتی تھی مگر عدل و انصاف کے معاملہ میں

آپ اس امر کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے جس سے آپ کی صداقت و راستی کا کامل ثبوت ملتا ہے۔ کعب بن اُسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہ سردار اور علمائے یہود نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ لوگ ملکر سرکار رسالت میں آئے اور آکر عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہود کے علمار اور سردار ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہوجائینگے تو تمام یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ سو آپ کی اور ہماری قوم کے باہم کچھ مناقشے ہیں۔ ہم وہ مقدمات آپؐ کے پاس لائیں گے۔ اگر آپؐ ہماری موافق فیصلہ کر دیں تو ہم اسلام قبول کرلیں گے۔ آپؐ نے فرمایا" یہ نہیں ہوسکتا کہ میں جادۂ انصاف سے باہر قدم رکھوں اور کسی کی حق تلفی کروں" (الباب النقول)

(۱۱) حضرت نبی کریم سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسی پاک اُسوہ حسنہ کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے متبعین میں بھی یہ خاص وصف اس درجہ کا تھا کہ آج بڑے بڑے مدعیان تہذیب اسکا عشر عشیر بھی دُنیا کے سامنے نہیں پیش کرسکتے۔ اسی عدل و انصاف کی برکت تھی کہ جبلہ بن ایہم غسانی ایک عیسائی شہزادے نے عہد فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طوافِ کعبہ کے موقعہ پر اُسکی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُسکے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ اُس نے بھی برابر کا جواب دیا جبلہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ نے سُنکر فرمایا کہ "تم نے جیسا کیا تھا ویسی ہی اُسکی سزا بھی پائی" اُسنے کہا "ہمارے ساتھ کوئی گستاخی کرے تو اُسکی سزا قتل ہے" مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا" ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے شریف و ذلیل اور پست و بلند کو ایک کر دیا" جبلہ اس ضد میں پھر عیسائی ہوگیا اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفۂ اسلام نے مساوات اسلامی کی قانون شکنی گوارا نہ کی۔

یہ ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فرمانروائی کی اصلی تصویر۔ آپؐ کے

نزدیک ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ اور نہ تھا اور عفو و رحم سے بڑھ کر کوئی بھلائی اور خوبی نہ تھی مگر اپنے موقع اور محل پر۔

الحاصل آپؐ ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ آپؐ کے نزدیک ناحق کی پیروی کرنے والا ظلم کرنے والا۔ بدترینِ خلائق تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ:۔

مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ (مشکوٰة)

جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی اور اُسکو معلوم ہے کہ یہ شخص ناحق پر ہے پس وہ شخص اسلام سے خارج ہوگیا۔ مطلب یہ کہ ظالم کی مدد کرنا بھی منافیِ اسلام ہے

آپؐ نے فرمایا کہ:۔

مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

جس شخص نے کوئی جھوٹا دعویٰ کیا وہ ہمارے دین پر نہیں اور وہ دوزخ میں اپنا گھر سمجھے۔

مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ اَحَقٌّ اَوْ بَاطِلٌ فَهُوَ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔ (مشکوٰة شریف)

(یعنے) جسنے کسی جھگڑے میں مدد کی اور یہ نہیں جانتا کہ سچ ہے یا جھوٹ ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہے جبتک اُس کام سے الگ نہ ہوجائے۔

مختصر یہ کہ آپؐ نے تمام مسائل شریعت کو جو ایسے اعلیٰ انصاف و عدل پر مبنی ہیں کہ جن کا مقابلہ دُنیا کا کوئی قانون اور شریعت نہیں کرسکتی ہر ایک موقع پر ایسے انصاف سے برتا ہے کہ جو آپ کی صداقت کے لئے کافی و وافی ہے۔

جب سے مسلمانوں نے ان خاص وصفوں کیطرف سے کوتاہی اور لاپرواہی اختیار کرلی ہے اُسی دن سے اُن کا امتیاز بھی دُنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ مندرجۂ بالا واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰة والسلام کی پاک تعلیم میں حقیقی مساوات کی کیسی اعلیٰ تعلیم ہے اور اسکا جو نمونہ خود سرکار رسالت مآب نے اپنی ذاتِ پاک سے خود عمل کرکے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُسکی نظیر سے تاریخ عالم

خاموش ہے۔یورپ جسکو اپنے تمدن پر بہت بڑا غرور اور گھمنڈ ہے۔جہاں سے شخصی فرمانروائی کا جنازہ اُٹھ چکا ہے جہاں قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے جہاں مساوات و آزادی کے غلغلوں سے گوشہ گوشہ گونج رہا ہے ایک نظیر بھی ایسی نہیں پیش کر سکتا جسمیں فرمانروائے وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساواتِ انسانی کا اعلان کیا ہو۔اعلان ہی نہیں بلکہ خود اسکا نمونہ پیش کر کے دکھا دیا ہو یہ شرف خاص اُس خدا کے پیارے رسولِ اکرمؐ اور اُس کامل و اکمل انسان ہی کا حصہ تھا جسنے چھٹی صدی عیسوی کی تاریکی میں حقیقی حریت و مساواتِ انسانی کا چراغ روشن کیا اور اعلان کر دیا کہ:۔

لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتَ يَدَهَا" (بخاری شریف۔) (خدا کی قسم) اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُسکے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے۔اللھم صل وسلم بارک علیہ

مسلمانو تمہاری کرتوتوں سے اسلام پاک بدنام ہو رہا ہے۔خدارا ہوش میں آؤ اور اپنے برگزیدہ آقا کے اس ارشاد پاک کو اپنا دستور العمل بناؤ:۔

اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللهِ عَلَى الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ لَوْمَةُ لَائِمٍ فِي اللهِ (ابن ماجہ کتاب الحدود) خدا کے حدود (یعنی خدا کے مقرر کردہ قوانین آئین) دور و قریب رشتہ دار غیر رشتہ دار سب پر یکساں جاری کرو اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروانہ کرو۔

جود و سخا

انسانی اوصاف میں سخاوت ایک ایسی صفت ہی جسکی وجہ سے انسان خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جاتا ہے۔اور دونوں اُسے عزیز رکھتے ہیں۔ السخی حبیب اللہ۔یعنی سخی خدا کا دوست ہوتا ہے۔حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

منصب نبوت کے فرائض انجام دینے میں اسقدر جہ منہمک تھے کہ آپکو کبھی مال جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اور کبھی آپنے اپنے نفس یا اپنے اہل وعیال کی آسایش کے لیئے زاید از ضرورت مال رکھنا پسند نہیں کیا۔ جو کچھ ملتا تہا راہ خدا میں صرف فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ اکثر ایسی حالت میں سوتے تھے کہ صبح کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تہا آپ ہمیشہ اسی اصول پر عمل کرتے رہے کہ ع خدا بر تو باشد تو خلق باش۔ آپؐ جود وسخا کے مجسم نمونہ تھے۔ ایسے نمونہ کہ جسکی نظیر ملنی محال ہے آپکو غیر مستحق سایلوں کا سوال کرنا بُرا معلوم ہوتا تھا۔ مگر کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی سائل کو دینے کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تو عذر فرما دیتے۔ اسطرح پر کہ گویا کوئی شخص اپنے قصور کی معافی چاہ رہا ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے کبھی کسی سائل کے جواب میں لَا (یعنی نہیں) نہیں فرمایا (بخاری ومسلم)

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز ہمگر در اشہد ان لا الہ الا اللہ

حضور نے ایکمرتبہ فرمایا کہ "اگر اُحد کے پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوگا۔ کہ میں رات گزارنے کے قبل سب خرچ کردوں اور اگر کچھ بچاؤں تو اتنا ہی کہ جو ادائے دین کے لئے ضروری ہو۔ اسی لئے تمام صحابہؓ اقرار کرتے تھے۔ کہ آپؐ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلند پایہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے (بخاری کتاب الجہاد)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور سب دنوں سے زیادہ آپ رمضان شریف میں سخی ہوجاتے تھے۔ (بخاری شریف قصہ زید)

ایک موقع پر حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بخیل اور سخی کو یوں سمجھو

کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہنے ہوئے ہوں۔ اور ان کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوں سخی صدقہ کرتا ہے تو اُسکا کرتہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکا کرتہ تنگ ہو جاتا ہے اور زنجیر کے حلقے اور بھی جکڑ جاتے ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف)

اِس حدیث پاک میں آپؐ نے سمجھایا کہ دولت ایک قسم کا بار ہے۔ سخی کو سخاوت میں اس لئے لطف آتا ہے کہ اُسکا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ لیکن بخیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اور وہ خرچ کرنے کے نام سے ڈرتا ہے۔

ایکمرتبہ بعض انصار نے حضور سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا یہانتک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب خرچ ہو گیا۔ تب حضور نے فرمایا "میرے پاس جہانتک ہو گا میں تمسے دریغ نہیں کرونگا۔" (بخاری شریف)

آپؐ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ آپؐ نے اُسکو اسقدر بکریاں عنایت فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سمائی ہوئی تھیں۔ (مسلم شریف)

صفوان بن امیہ کافر نے جب آپ کی سخاوت دیکھی تو وہ مسلمان ہو گیا، اور اُن نے اقرار کیا کہ نبی کے سوا اور کسی سے ایسی سخاوت ممکن نہیں (مواہب لدنیہ)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نوّے ہزار درہم آئے۔ جو ایک بورئے پر ڈھیر کر دیئے گئے۔ آپؐ نے اُن سب درہموں کو تقسیم کر دیا۔ اور کسی سائل کو رد نہیں کیا اُسی شام کو آپ کے گھر فاقہ تھا۔ (بخاری شریف)

جنگ حنین کے سفر سے جب آپ واپس آئے۔ تو اعراب نے آکر چاروںطرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور سوال کرکے حضور کو یہانتک تنگ کیا کہ آپ دبتے دبتے ایک درخت سے چمٹ گئے۔ اور لوگ آپ کی چادر مبارک (تک) اُچک لیگئے۔ آپؐ نے فرمایا "لوگو! میری چادر دیدو۔ اگر میرے پاس ان ببولوں کے کانٹوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے

تو بھی میں سب کے سب تمہیں دیدیتا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ پانچ لاکھ درہم تقسیم فرما چکے تھے۔ (بخاری شریف)

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضور نے فرمایا۔ میرے پاس اِسوقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں ادا کردونگا" حضرت عمر فاروق رضی نے عرض کیا" خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں" حضور انور خاموش ہو گئے ایک انصاری نے پیچھے سے کہا۔ یارسول اللہ! خوب دیجئے رب العزت مالک ہے۔ تنگدستی کا کیا ڈر ہے حضور انور مسکرائے۔ اور چہرۂ مبارک بشاش ہو گیا۔ اور فرمایا" ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے" شفاء بحوالہ شمائل ترمذی)

ایکبار ایک سائل کو نصف وسق غلہ قرض دلادیا۔ قرضخواہ تقاضے کے لئے آیا۔ حضور انور نے نصف وسق قرض کا اور نصف اور بطور جود وسخا عنایت فرمایا" (شفاء)

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد عالی تھا۔ کہ اگر کوئی شخص مقروض مرجائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اُسے ادا کردینگے۔ اور اگر کوئی مال چھوڑ دے تو وہ حق ورثاء کا ہے (بخاری شریف)

سخاوت کا بہترین اصول مستحقین کی امداد ہے۔ آپ سے بڑھ کر کون سچا سخی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آپ فیاضی کی ضرورت اور اس کے مصرف کو جانتے اور مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ خاندان بنی ہاشم (جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے) برابر آپ ہی کی مدد سے بسر اوقات کیا کرتا تھا حضرت انس رضی کہتے ہیں۔ کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بحرین سے مالِ کثیر آیا۔ آپ نے فرمایا مسجد میں ڈالدو۔ آپ نے اِس مال کیطرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی۔ اور جب نماز سے فارغ ہوئے۔ مال کے پاس تشریف لاکر محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت ابن عباس رضی سے فرمایا۔ اچھا تم خود جس قدر اٹھا سکو سونا چاندی اٹھا کر لے جاؤ۔ ابن عباس رضی نے اپنی ایک چادر بچھا کر ایک

گٹھڑ سیم وزر کا تیار کیا۔ لیکن چونکہ وہ بہت بھاری ہو گیا تھا۔ اس لئے اُس کے اُٹھانے کے لئے جب کسی اور سے مدد طلب کی۔ تو آپ نے فرخندہ پیشانی سے فرمایا "ابن عباس رضؓ! یہ شرط نہیں ہے۔ تمہیں خود ہی بلا امداد غیرے اٹھانا ہوگا۔" دو چار دفعہ اپنے بوجھ کو ہلکا کر کے ابن عباس رضؓ اُس تمام مال کو لے گئے۔ اور وہ اسقدر تھا۔ کہ کسی کو امیر الامراء بنانے کے لئے کافی تھا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو آپ ان کی جانب دیکھتے تھے اور ان کی حرص پر تعجب کرتے تھے۔ اُس مال کو آپ برابر تقسیم فرماتے رہے۔ جب اُسمیں سے ایک حبہ بھی باقی نہ رہا تو آپ اٹھ کر خالی گھر تشریف لے گئے۔ (بخاری شریف)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن ایک اعرابی آپ کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور اُس نے حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چادر مبارک کو جو موٹے کنارہ کی تھی زور سے جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ حضور کی گردن میں ایسا دھنس گیا کہ اُس سے نشان پڑ گیا۔ اور ساتھ ہی زبان سے اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ (اے محمدؐ! خدا کا مال جو تمہارے پاس ہے۔ یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے اسمیں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔ حضورؐ نے (جو حقیقی معنوں میں سخی اور کریم تھے) تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا "ہاں بیشک خدا کا ہے اور میں اُسکا غلام ہوں۔" یہ کہہ کر صحابہ رضؓ کو حکم دیا کہ "ایکبار شتر جو اور ایک بار شتر خرما اُسے دیجادیں۔ (بخاری ومسلم وشفاء)

حضرت جابر رضؓ کہتے ہیں۔ کہ ایک بار حضور انورؐ کی خدمت اقدس میں ایک بچے نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ماں نے پیراہن مبارک مانگا ہے۔ آپ نے فرمایا "تھوڑی دیر کے بعد لے جانا۔ وہ پھر تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ "میری ماں نے پیراہن شریف کے لئے مجھے دوبارہ بھیجا ہے، آپؐ فوراً گھر میں تشریف لائے اور بدن اطہر سے پیراہن مبارک باوجودیکہ اُس کے سوا کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ تھا۔ اُتار کر بچے کے حوالے کیا اور آپ برہنہ گھر میں بیٹھ رہے۔ جب نماز کا وقت ہوا۔ حضرت بلال رضؓ

نے اذان کہی لوگوں نے کچھ دیر حضورؐ کا انتظار کیا جب آپ تشریف نہ لائے تو سب بے قرار ہو کر گھر میں حاضر ہوئے۔ وہاں دیکھا کہ آپ برہنہ تشریف فرما ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ سخاوت میں بھی مثل اور اوصاف حسنہ کے اس پایہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ تاریخ عالم اسکی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ آپ کی سخاوت اور دریا دلی ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ جب اس جہان سے رخصت ہوتے ہیں تو آپ کے دولت کدہ میں یا آپ کے خزانۂ خاص میں اپنے ورثا کے لئے کچھ بھی باقی نہیں۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ۔ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں وفات پائی۔ گھر کے اسباب میں علاوہ کھانا پکانے کے برتنوں کے جنمیں اکثر ظروف گلی تھے۔ ایک بوسیدہ بوریا بھی ہے۔ جو اسوقت مرض الموت میں بستر کا کام دے رہا ہے ایک ذرہ اور ڈھال ہی۔ لیکن وہ ایک یہودی کے ہاں گروی ہی (بخاری شریف)

عمر بن حارثؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی غلام۔ نہ کوئی لونڈی نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سپید خچر اور ہتھیار کے اور ایک قطعہ زمین کہ جس کو آپ نے صدقہ کر دیا تھا (بخاری شریف)

انتقال فرمانے سے کچھ پہلے آپ پوچھتے ہیں کہ "کچھ نقد گھر میں ہی؟ حضرت صدیقہؓ جواب میں فرماتی ہیں کہ "ہاں چند درہم ہیں" آپ فرماتے ہیں:۔

نَحنُ مَعَاشِرَ الاَنبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُورَثُ

(ہم انبیاء کا گروہ نہ کچھ دنیوی ورثہ پاتے ہیں اور نہ دنیوی ورثہ کسی کے لئے چھوڑتے ہیں) ان درہموں کو خدا کی راہ میں دیدو" اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لَا نُورَثُ مَا تَرَکنَاہُ صَدَقَۃ یعنی جو کچھ ہمنے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ اس میں کسی کی میراث نہیں (بخاری شریف)

اللہ اللہ یہ حال ہے آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا۔ یہ خاتمہ ہے اس شہنشاہ عربی کا جسکے فوت ہونے سے پہلے پہلے مال و دولت نقد وجنس اس کے قدموں پر نثار ہوتا تھا

اور وہ آگے آگے جاتا تھا۔ اور دولت پیچھے پیچھے قدم چومنے کو آتی تھی۔ اور جس نے جس طرح عالم تہید ستی میں دنیا اور لوازمہ دنیا کو آتے ہوئے دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے مقابل لینے سے انکار کیا۔ اسی طرح جب خدائے تعالیٰ نے اس دنیا کا مالک اسے کر دیا تو اس نے اُس وقت بھی اس سے کنارہ کیا۔ اور اُسی طرح خدا کی راہ میں لٹا دیا اور ثابت کر دیا کہ ؎

در ضمیر ما نمے گنجد بغیر از دوست کس ہر دو عالم را بدشمن وہ کہ مارا دوست بس

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی کی دی ہوئی چیز واپس لینا سخت برا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَلْعَائِدُ فِی هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِی قَيْئِهٖ (بخاری شریف کتاب الہبہ) جو شخص اپنے ہبہ کو واپس لے وہ مثل کتے کے ہے جو اپنی قے پھر کھالے۔

مسلمانان عالم اگر اس اسوۂ حسنہ پر غور کرتے اور اسکو اپنا دستور العمل بناتے تو یہ روز بد ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا جسکو آج دیکھ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اسقدر مال کا ایثار کرنا اور ایسا سخی بننا آج سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اسمیں بھی کچھ کلام نہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت دوسری تھی وہ قوم کے رہنما اور پیشوا تھے۔ خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ بہت سی باتیں اور بہت سے کمالات اور بہت سے اوصاف اُنکے ساتھ مختص تھے۔ مگر یہ تو ضروری امر ہے کہ اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق اس نیک عمل میں ہر مسلمان کو حصہ لینا واجب ہے۔ بہت مال جمع کرنا اور اسی کا ہو رہنا اچھا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سخاوت جیسی صفت کو حاصل کرنے سے باز نہ رہے اور اس اسوۂ حسنہ پر حتی المقدور عمل کرکے درجات عالیہ حاصل کرنے میں ہمیشہ ساعی و کوشاں رہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ فاقہ کرتے ہیں اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر بڑے سخی سمجھے جاتے ہیں۔ اس امر سے بھی بچتا رہے۔ سخاوت کرنے میں بھی

اگر اپنوں کا زیادہ خیال رکھا جائے تو دوہرا ثواب ہوتا ہے۔

آپ کا سخاوت کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں ارشاد عالی ہے جسکو حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاھِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی شریف)

سخی خدا تعالےٰ کے قریب ہوتا ہے اور وہ جنت کے (بھی) قریب ہے (اور) آدمیوں کے (بھی) قریب ہے۔ اور دوزخ سے دور رہے اور بخیل اللہ تعالےٰ سے دُور ہے (اور وہ) جنت سے بھی دور ہے اور لوگوں سے دور ہے اور دوزخ کے قریب ہے اور جاہل سخی خدا تعالےٰ کے نزدیک بہت پیارا ہو عابد بخیل سے

مطلب یہ کہ سخی خدا اور اُسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ اور جنت کا سچّا حقدار ہوتا ہے۔ اور بخیل نہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک اور نہ اسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اُسے بالکل اچھا نہیں سمجھتے اور وہ دوزخ کا سچا اہل ہوتا ہے اور عابد بخیل سے خدا تعالےٰ کے نزدیک جاہل سخی بہت پیارا اور محبوب ہوتا ہے ؎

ہو کیا بیان۔ لطف و سخائے محمدؐی ضرب المثل ہی جود و سخائے محمدؐی

خالی کبھی گیا نہ گدائے محمدؐی قایم رہا غنا میں غنائے محمدؐی

چھوڑے غلام سینکڑوں لیکر بندہے ہوئے
سوتے تھے آپ پیٹ پہ پتھر بندہے ہوئے

(دیگر)

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑہ تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

فرش والے تیری رفعت کا علو کیا جانیں
خسروِ عرش اڑاتا ہے پھریرا تیرا

اِستقلال اِستقامت

اصلاح و تبلیغ کا نازک فرض انجام دینے کے لئے سب سے بڑی ضرورت سچے استقلال اور فوق العادت عزم کی ہے کہ مصلح و مبلغ کو کوئی ترغیب و ترتیب اسکے پاک ارادہ اور قابل قدر مساعی سے باز نہ رکھ سکے اور وہ غیر متزلزل استقامت اور عزم راسخ کے ساتھ اپنا کام کرتا ہے اور متواتر ناکامیوں اور مسلسل موانع پیش آنے سے مایوس و ہراساں نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اور ہزاروں محاسن اخلاق سے بدرجہ کمال متصف تھے۔ وہاں استقلال کامل اور عزم راسخ بھی آپ کے خلق عظیم کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ اپنے خدائے عزوجل کی طرف سے آپ جس خدمت کے لئے مامور ہو کر آئے تھے اسکے پورا کرنے میں آپ آخر عمر تک اُسی سرگرمی و دلچسپی سے کوشاں رہے۔ جو ماموران الٰہی کا خاصہ ہے۔ سخت سے سخت مزاحمت اور شدید ترین مخالفت بھی آپ کو اپنے فرائض کے انجام دینے سے باز نہیں رکھ سکی اور آپ نے اپنے نیک مقاصد کی تکمیل میں کسی لائم کی ملامت اور کسی لاعن کی لعنت کی کبھی پروا نہیں کی اور نہ کسی مایوسی و ناامیدی نے آپ کے عزم راسخ میں کبھی کوئی تغیر پیدا کیا۔

آپ کی ذات مستجمع الصفات تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی قوم میں مبعوث کیگئی تھی

جو علوم سے بے بہرہ۔ مصالحت اور درگزر سے ناآشنا اور جملہ صفاتِ انسانی سے معرا تھی حضور کو توحید و صداقت کی دعوت واشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم تشنۂ خون تھی۔ صاحب قوت و زور اپنی پوری طاقت سے مخالفت پر آمادہ تھے۔ بایں ہمہ آپ کے عزم و استقلال اور استقامت کا یہ حال تھا کہ نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ اپنی کل قوم کے عادات و طبائع۔ رسوم و رواج کے برخلاف توحید کا سبق سکھایا اور اسلام کی دعوت دی۔ یہ ایک ایسی دلفریب صدا تھی جس سے دیکھتے ہی دیکھتے دشت و جبل گونج اٹھے اور ہر ادنےٰ و اعلیٰ چونک گیا۔ اور انہوں نے اس آواز کی مخالفت کو اپنا نصب العین ٹھیرایا اور آپ کی جان کے درپے ہوگئے۔ باوجودیکہ تمام قوم۔ ہم محلہ ہم سایہ حتی کہ رشتہ دار بھی آپ کے مخالف تھے۔ آپ کی ذات بابرکات سخت خطرے میں تھی۔ مگر واہ رے استقلال و استقامت! آپ پیغام حق کے سنانے اور دعوت الی الخیر کے پہنچانے سے دستکش نہ ہوئے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ اسلام کے لئے سرگرمی سے کوشش شروع کی۔ اسی استقلال و استقامت کا نتیجہ تھا کہ آپکی زندگی ہی میں کل قوم عرب دینِ متین کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مجنون کہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:۔ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (پ ۲۹ س قلم ع ۲) "اور کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو ایک دیوانہ ہے"۔ جسکی اللہ تعالےٰ نے تردید فرمائی:۔

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ (پ ۲۹۔ س قلم۔ ع ۱)

(اے نبی!) تم اپنے پروردگار کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہو (جیسا کہ کافر کہتے ہیں) اور بلاشبہ (تبلیغ رسالت کے صلے میں) تم کو ایسا اجر ملنے والا ہے جسکا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹے گا"۔

مجنون سے ان کی مراد وہ پاگل یا سودائی یا دیوانہ نہیں تھی جو بازاروں میں وحشیانہ حالت میں اِدہر اُدہر پھرتے ہیں۔ اس معنی میں تو مجنون کا لفظ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہہ نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ صریحاً دیکھتے تھے کہ آپؐ کی اخلاقی تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا دانشمند اور حکیم بھی ایسی تعلیم نہیں دے سکتا بلکہ وہ آپ کو اور ہی معنوں میں مجنون کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ عجیب دہتی آدمی ہے ایک بات کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ ہرگز اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو یہی فرمایا تھا فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (اے نبی!) جن باتوں کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اس پر پوری استقامت رکھ (تاکہ تیرے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے)

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ "اپنے رب کی عبادت کر۔ اور ایسا فوق العادت استقلال وثبات دکھا کہ موت تک تیرے حرکات واستقلال وافعال میں فرق نہ آئے"

وہ آواز جو شروع میں مکہ کے اندر آپؐ کے منہ سے نکلی تھی وہ بجائے پست ہونے کے روز بروز اور زیادہ بلند ہوتی گئی۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ ہزاروں اذیتیں سہیں۔ آپ کے قتل اور قید کے منصوبے سوچے گئے۔ وطن چھوڑا یا گیا۔ ہر قسم کی ترغیبات پیش کی گئیں تمام کفار سارا عرب آپ کی مخالفت پر تل گیا۔ مگر اُن میں سے کوئی بات بھی آپ کی اُس پہلی آواز کو نہ مٹا سکی۔ اور آپ نے غیر معمولی صبر وتحمل سے ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں آپؐ کو عروج نصیب ہوا تو تمام کفار فی النار والسقر ہو گئے اور ہر طرح امن وامان ہو گیا۔ اور کوئی روک باقی نہ رہی۔ اُس وقت بھی وہی آواز یعنی کلمہ طیبہ اُس پاک رسول کی زبان پر تھا۔ یہ فوق العادت استقلال اور فاروق عادت استقامت ہی ایک ایسی شے تھی۔ جو دنیا میں ایک بالکل نئی اور لا نظیر انقلاب پیدا کرنے کی اصل اصول تھی۔ اور یہی آپ کی کامیابیوں کی جڑ تھی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جس زمین اور جسجگہ پر ناقوس بجتے تھے۔ لات وعزےٰ کی پوجا ہوتی تھی۔ آفتاب وماہتاب

اور ستائے خدا مانے جاتے تھے وہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ کی آواز آنے لگی اور جہاں شراب۔ زناکاریاں علانیہ فسق وفجور اور نہایت ناپاک اور گندی کام ہوتے تھے وہاں خدائے پاک کی سچی توحید قایم ہونے کے بعد سچا تقویٰ وطہارت پھیل گئی اور یہ سب کچھ آپ کے سچے استقلال اور پاک استقامت کی بدولت ہوا اور قیامت تک اسی طرح ہوتا رہیگا۔

اس لئے ہر ایک مسلمان کو چاہئے۔ کہ خدائے پاک کے راستے میں جب اُسپر کوئی مصیبت آئے۔ تو گھبرا نہ جائے۔ کسی طرح کا شکوہ وشکایت نہ کرے۔ اور بڑے صبر سے اُسے سہے۔ حضور انور نے ہزاروں مصیبتیں سہیں۔ لاکھوں دکھ اُٹھائے۔ پر جس نیک کام کو شروع کیا تھا۔ ہرگز نہ چھوڑا۔ اور جب تک اسکو پورا نہ کرلیا۔ آرام نہ لیا۔ پس ہمیں بھی چاہئے کہ اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں۔ اور جس نیک کام کو شروع کریں۔ اگرچہ تکلیفیں بھی پہنچیں اور مصیبتیں بھی اٹھائیں۔ پر اُس کام کو پورا ہی کرکے چھوڑیں۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے تمام وقت کلمۃ اللہ کی تبلیغ اور اعدائے اللہ سے مقابلہ میں صرف کیا۔ قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھو کہ وہ باطل سے کیسی خوفناک ٹکریں لگاتا ہے۔ آپ اسکو عمل میں لاکر دکھانے والے تھے۔ اگر آپؐ کی سوانح سے کوئی واقف نہ بھی ہو۔ جب بھی قرآن کریم کے عمل سے پتہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام آپ کے سپرد تھا۔ اور اس سے قیاس کرسکتا ہے کہ کس قدر آرام اور تن آسانی میں آپکی زندگی بسر ہوتی ہوگی۔ جتنے مصائب آپ پر آئے۔ اگر کسی اور شخص پر آتے تو وہ جلدی مرجاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کیسے استقلال واستقامت کا نمونہ ہیں۔ آپ کیسے صابر وشاکر ہیں۔ گیارہ بچے فوت ہوتے ہیں۔ اور آپ اف تک نہیں کرتے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار اور عزیز سے عزیز صحابی شہید ہوگئے مگر آپ ہر حالت میں رضا بالقضا کا نمونہ ہی دکھلاتے رہے۔ اور آپ کے ارادوں میں کسی قسم کے فتور یا لغزش کا نام تک

نہ آیا۔ ثابت قدمی و اولوالعزمی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟

جہانتک تاریخ عالم کا تعلق ہے۔ دنیا کسی ایسی نظیر سے خالی نظر آتی ہے کہ ایک ایسی نادار یتیم بچے نے بچپن سے لے کر عمر کے آخری دور تک سقدر متضاد اور مختلف خوبیوں کو اپنے اندر جمع کیا ہو حضور انور کی ذاتِ پاک اخلاقِ حسنہ اور کمالاتِ انسانی کی ایسی جامع تھی کہ ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی خوبیوں کا پر تو پڑتا تھا۔ مکۂ معظمہ میں جبکہ رنج و مصیبت کا سامنا تھا صبر و ثبات تحمل و استقامت رضا اور تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جبکہ اطمینان اور راحت نصیب ہوئی۔ شکر و عطا۔ جود و سخا۔ عفو و کرم کا نور چمکنے لگا۔

انسان جسقدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دنیا میں اسپر آفتیں آتی ہیں۔ یہ سب شامت اعمال ہی سے آتی ہیں۔ بعض لوگ اس دہوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے وہ قرب الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ اُن سے محبت الٰہی بڑھتی ہے اور اُنکا فوق العادت استقلال و استقامت اور رضا اور تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتے ہیں۔ برخلاف اسکے یہ مصیبتیں اور بلائیں اور وبائیں جو گناہوں کی شامت سے آتی ہیں انمیں درد اور تکلیف کے علاوہ خدا سے بُعد ہوتا ہے۔ اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ خدا کے راستہ میں حضور انور کو جسقدر تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انمیں آپ کو ایک راحت اور لذت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفوں کی ہر ایک ممکن کوشش آپ کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکی

حضور انور کی زندگی کے واقعات میں ایک روشن اور درخشندہ واقعہ یہ ہے جس سے آپ کے استقلال اور استقامت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب مکّہ کے کافروں نے دیکھا۔ کہ مخالفت اور عداوت سے کامیابی نہیں ہوتی۔ اور عام مظالم سے کام نہیں چلتا تو عمائدین قریش نے ارادہ کیا کہ حضور کو قتل کر دیں۔ لیکن اُس قتل کرنے سے

پہلے انہوں نے پھر ایک دفعہ لالچ دیکر آزمانا چاہا۔ اور آپ کو تبلیغ حق سے روکنے کی آخری تدبیر کی۔ چونکہ روپیہ۔ عورت۔ حکومت یہی تینوں چیزیں ہمیشہ دنیاداروں کا نصب العین ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے عمائدین قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں انہی تینوں چیزوں کا لالچ دینے کے لئے سب ملکر آپ کے پاس آئے۔ انمیں سے مکّہ کا مشہور سردار جسکا نام عتبہ تھا آپ سے اس طرح مخاطب ہوا کہ:۔

میرے بھتیجے محمدؐ! ہم اب تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ تو اسپر غور کر۔ اور اگر تجھے پسند خاطر ہو تو اُسے قبول کر۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر اپنی اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا مقصود ہے۔ تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالامال ہو جائے۔ بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی۔ اگر تجھے عزت کی ضرورت ہے۔ تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر تجھے حکومت کی خواہش ہی تو ہم تمکو بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ تو ہم سب کا امیر اور بادشاہ ہوگا۔ اور کوئی امر تیرے مشورہ کے خلاف نہ کرینگے۔ اور اگر کوئی عورت چاہیئے تو ہم اعلیٰ درجہ کی جمیلہ حسینہ عورت تجھے لا دینگے۔ یا جو کوئی پسند خاطر ہو چکی ہو وہ بھی حاضر ہو سکتی ہے مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو۔ کہ ہمارے خداؤں اور معبودوں کی توہین اور ہتک نہ کیا کرو یا کم از کم ان کے متعلق کچھ نہ کہا کرو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتلا دو کہ ہم تمہارا علاج کرائیں"

حضورؐ نے اسکے جواب میں فرمایا:۔

"جو کچھ تمنے میری بابت کہا۔ وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ نہ مجھے مال۔ عزت و دولت حکومت اور عورت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں۔ میری حقیقت تم کو قرآن پاک کے اس کلام سے معلوم ہوگی" (پھر مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں):۔

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتَابٌ یہ فرمان خدائے رحمٰن و رحیم کے حضور سے

فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ
بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ
لَا یَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ
اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا
وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ
فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ وَوَیْلٌ
لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ
بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ اَجْرٌ
غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ (پ۲۴ س حم السجدہ ع ۱/۱۵)

صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کتاب ہے جس
کی باتیں عربی زبان میں سمجھ دار لوگوں کیلئے
تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔ جو لوگ
خدا کا حکم مانتے ہیں ان کے واسطے اس
فرمان میں بشارت ہے۔ اور جو انکار کرتے
ہیں انکو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ تاہم
بہت سے لوگوں نے اِس فرمان سے منہ
موڑلیا۔ وہ اسے سنتے ہی نہیں۔ اور کہتے
ہیں کہ اس کا ہمارے دلپر اثر نہیں۔
اور ہماری کان اسکے شنوا نہیں۔ اور ہم میں
اور تم میں ایک طرح کا پردا پڑا ہے۔ تم اپنی
تدبیر کرو، ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔

اے نبی ان لوگوں سے کہدیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں۔ مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتلادیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے۔ اسی کیطرف متوجہ ہونا۔ اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں۔ اور صدقہ نہیں دیتے۔ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے"

ان آیات کی تلاوت ختم فرماکر حضور نے ارشاد فرمایا "اے ابو الولید تو نے سنا اب تجھے اختیار ہے کہ ان دو راہوں سے چاہے جس راہ کو چاہے اختیار کرلے۔

(ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶)

اِس لالچ کی تدبیر سے بھی جب عمائد قریش کامیاب نہ ہوئے تو تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کر کے آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔

"ہمنے آپ کا بہت ادب کیا۔ مگر ایک حد تک اب ہم سے تیرے بھتیجے کی باتیں سُنی نہیں جاتیں۔ وہ ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ اب آپ مہربانی کر کے انہیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کر لیں۔ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالینگے اور ان کی جانب داروں سے بھی اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اور تم اکیلے سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ ابوطالب سمجھے کہ اب معاملہ نازک ہو گیا۔ سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر ان کا دل درد اور محبت سے بھر گیا۔ چونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ اب آپ کی جان عزیز سخت خطرے میں ہے۔ اس لئے انہوں نے حضور کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا۔ کہ بیٹا! اب تم خاموش رہو۔ بت پرستی کا رد نہ کیا کرو۔ ورنہ میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہ کر سکونگا بھتیجے! تو اپنے آپ کو اور مجھ کو بچالے۔ اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جسکی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہیں۔"

ابوطالب جیسے مہربانی اور حامی چچا کے ان دردناک اور محبت آمیز الفاظ نے حضور الوری (فداہ ابی و امی) کے استقلال و استقامت میں مطلقاً کوئی تغیر پیدا نہیں کیا۔ حالانکہ آپؐ دیکھ رہے ہیں کہ اب چچا کی اس بات سے رہی سہی جو کچھ طاقت و حمایت ہے وہ بھی جا رہی ہے۔ آپؐ فوراً اپنی مالک الملک صاحب قوت خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کمال استقلال و اطمینان کے ساتھ فرمایا:۔

"اے چچا! اگر یہ لوگ سورج[1] کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر

[1] اس عجیب جواب میں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ دنیا کی کوئی بھی چیز نہیں جس کی خلق۔ بقا اور قیام میں سورج اور چاند کو دخل نہ ہو۔ ہماری کل اغذیہ کل ملبوسات اور دیگر اشیائے ضروریہ

تب بھی میں اپنے کام (تبلیغ حق) سے نہ ہٹوں گا۔ اور خدائے پاک کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ خواہ اس کوشش میں میری جان بھی جاتی رہے (سیرت ابن ہشام۔ صفحہ ۸۹ جلد اول)

یہ پاک و صاف اور پرجوش الفاظ فرما کر آپ کے آنسو بھر آئے اور وہاں سے منہ پھیر کر باہر تشریف لے آئے۔ بزرگ ابوطالب یہ الفاظ سنکر ششدر و حیران رہ گئے اور آپ کی اس حیرت انگیز استقامت نے ان کے دل پر ایسا گہرا اثر کیا کہ آپ کو چھوڑ دینے یا تبلیغ حق کے روکنے کا خیال بالکل محو ہوگیا۔ اور بے اختیار یہ بول اٹھے:۔ کہ بھتیجے! تو جو چاہتا ہے کر۔ خدائے کعبہ کی قسم میں تجھ کو کبھی ترک نہ کرونگا"

اللہ اللہ یہ امتحان بھی کس قدر کڑا اور زبردست تھا۔ مگر حضور انورؐ نے اپنے چچا کو اس مختصر جملے میں بتلا دیا۔ کہ تو کیا اور یہ عرب کیا۔ اور تمہاری حمایت کیا۔ اور ان کی عداوت کیا۔ میں تو اس خدائے پاک برتر کے نام پر کہ جو کل طاقتوں اور عزتوں کا حقیقی مالک ہے اور اسکی پرستش و توحید کے قایم کرنے کے مقابل کائنات کی پرواہ نہیں رکھتا جب تک میرا خدا میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کردے۔ یا میں اس کوشش میں اپنی جان نہ دیدوں میں اس مشن کی اشاعت سے کہ جسپر میرے خدا نے مجھ کو کھڑا کیا ہے باز نہیں رہ سکتا۔

سچ ہے "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" (استقامت فی الواقع کرامت سے بڑھ کر ہوتی ہے) یہ وہ کچھ کر سکتی ہے جو سحر اور جادو سے ممکن نہیں اس استقامت کی وجہ سے آپؐ اور آپ کا سچا مشن کامیاب ہوا۔ اور ایسا کامیاب ہوا کہ مخالفین اب تک حیران ہیں کہ اتنی قلیل مدت میں آپ کا دین کس سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیلا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸ = بلکہ کل کی کل دنیا اور مافیہا کا قیام سورج اور چاند کی ہستی کے ساتھ وابستہ ہے سائینسدان لوگ اس امر سے خوب واقف ہیں حضور کا مطلب یہ تھا کہ اگر قریش کل دنیا اور مافیہا کو میرے قبضہ میں دیدیں تب بھی تبلیغ حق سے نہیں رک سکتا۔ ۱۲

جس کی نظیر انبیاء سابقین میں تلاش کرنی محال بلکہ ناممکن ہی پس آپ کے اس خاص کمال کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ آپ عزم اور خلق استقامت کو کامل مظہر اتم تھے۔ اور یہی آپکی کامیابیوں کی کلید تھی۔ جسکو دیکھ کر مخالفین کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ آپ سچے نبی تھے چنانچہ مسٹر باسورتھ شمبھو صاحب اس واقعہ کو لکھ کر کہتے ہیں کہ:۔ "یہ کلام اور یہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہوسکتا" (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

توکل واخلاص باللہ

حضرت سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فعل۔ ہر حرکت اور ہر سکون میں حکمت کے دریا موجیں مارتے ہیں۔ کوئی بھی ایسا موقع نہیں جہاں آپؐ کے پاک دل کی پاکیزگی کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ اور جہاں آپؐ کے اللہ تعالےٰ کے ساتھ سچے تعلق پورے توکل اور کامل اخلاص کا پتہ نہ لگتا ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خیال رہتا تھا۔ اُسی کے سہارے اور بھروسہ پر آپ کی پاک زندگی کا دارومدار تھا۔ یوں تو آپکی پاک زندگی کا ہر ایک لمحہ اور لحظہ ہر ایک ساعت اور گھڑی سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ توکل اور اخلاص کا پورا پتہ ملتا ہے مگر ذیل میں نمونۃً چند واقعے درج کئے جاتے ہیں جن سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑسکتی ہے۔

(۱) کھانے پینے یا تلاش رزق کی نسبت تو آپ کا توکل اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَدَّخِرُ شَیْئًا لِغَدٍ (ترمذی شریف) یعنی آپ کل کے لئے کبھی کوئی چیز گھر میں نہیں رکھا کرتے تھے۔

(۲) حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ابتدائے دعویٰ نبوت اور اشاعت دینِ اسلام کے آغاز میں چونکہ کفار کی کثرت تھی اور سب کے سب درپئے قتل رہتے تھے آپؐ کی حفاظت کے لئے آپؐ کے گرد پہرا رہا

کرتا تھا جب آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (یعنی اے رسول! اللہ تمکو دشمنوں کے شر سے بچائے رکھیگا) نازل ہوئی تو آپ نے اُسی وقت پہرہ موقوف کر دیا اور فرمایا کہ اب پہرہ کی حاجت نہیں رہی اب میری حفاظت کا ذمّہ خدائے تعالےٰ نے لے لیا ہے۔ اللہ اللہ۔ آپ کو خدائے تعالےٰ پر کسقدر ایمان تھا اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ پر کیسا یقین تھا۔ راستی اور صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

(۳) ایک دن آپ اپنی تلوار ایک درخت میں ٹکا کر سو رہے تھے کہ اتنے میں آپ کے دشمنوں میں سے ایک مشرک آیا اور تلوار اٹھا کر کھینچ لی اور آپ سے کہا کہ "اب مجھ سے آپ کو کون بچا سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ" یعنے میرا خدا مجھے بچا سکتا ہے۔" ان ایمان سے لبریز الفاظ کو سُنکر اُس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی پھر آپ نے خود تلوار اُٹھالی اور فرمایا۔ تو بول اب میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائیگا وہ کہنے لگا کہ "محمد کا رحم بچائیگا۔" آپ نے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہدے۔ اُس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کہتا نہ میں آپ سے لڑونگا نہ آپ کا ساتھ دونگا نہ اُن لوگوں کیساتھ ہونگا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ نے معاف کر دیا (بخاری شریف) اور شرح الہمزیہ لابن حجر میں اسکا نام غورث بن الحرث لکھا ہے جو بعد میں ایمان لے آیا تھا۔ یہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ (لوگوں میں سے سب سے اچھے کے پاس سے میں تم میں آیا ہوں۔ (صفحہ ۹۹)

(۴) واقعہ ہجرت ایک عجیب ہولناک واقعہ ہے۔ سارا عرب مخالف اور خون کا پیاسا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام صرف ایک ساتھی لیکر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں وہ تمام قومیں آباد تھیں جو مذہب کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو مارنے کی فکر میں تھیں اِدھر آپ کی غیر حاضری کو دیکھ کر قریش نے آپ کی گرفتاری اور قتل پر انعام مقرر کر دیا! اور

اعلان شایع کر دیا کہ جو شخص رسول کریمؐ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اُسے دو دو سو اونٹ فی کس انعام ملیگا۔ اِس لالچ اور طمع کی وجہ سے ہر طرف آپ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایسے موقع پر بہادر سے بہادر انسان بھی دل ہار بیٹھتا ہے اور اگر کوئی نہایت قوی دل۔ نہایت دلیر اور خلاف معمول جرأت رکھنے والا انسان بھی ہو تو اُس پر بھی خوف ایسا مستولی ہو جاتا ہے کہ اُسکی ہر ایک حرکت سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیاوی لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپؐ کی نظریں دُنیا کی طرف لگی ہوئی نہیں تھیں۔ بلکہ آپ کی نگاہ خدائے تعالیٰ کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔ دُنیا کے اسباب آپ کی مدِ نظر نہ تھے۔ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے ساتھ وہ خدا ہے جو ہمیشہ سے اپنے نیک بندوں کا محافظ چلا آتا ہے اور جسکے وار کا کوئی دشمن مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سراقہ بن جعشم لالچ اور دشمنی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں نکلا دُور سے دیکھ کر آپ کیطرف گھوڑے کو دوڑایا جس طرح شکاری اپنے شکار کو دیکھ کر لپکتا ہے اسی طرح وہ آپ کو دیکھکر آپ کی طرف لپکا۔ اور تیر کمان لیکر چاہتا ہے کہ آپؐ پر وار کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُسکو دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک سوار آپہونچا ہے اور آپ پر وار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن آپؐ بالکل سراقہ کی اتنی بھی پروا نہیں کرتے جتنی ایک بیل کی کیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ باوجود اُس جرأت اور بہادری کے باوجود اُس ایمان اور یقین کے باوجود اُس توکل اور بھروسہ کے جو آپ میں پایا جاتا تھا۔ مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں اور گھبرا رہے ہیں۔ مگر رسول کریمؐ کو خدائے تعالےٰ پر اس قدر توکل اور بھروسہ تھا کہ سراقہ کی پروا بھی نہیں کرتے۔ اور گھبرانا اور دوڑنا تو الگ خوف و ہراس کا اظہار تو جدا۔ آپ نے ایک دفعہ مُنہ پھیر کر بھی اُسکی طرف نہیں دیکھا یہ توکل و اخلاص باللہ کی انتہائی حد ہے کہ جہاں سوائے آپ کے کسی دوسرے کی

رسائی نہیں۔ آپ کی اس ادائے سراقہ کو ورطہ حیرت میں ڈالدیا اور اُسکی آنکھیں
کُھل گئیں کہ میں کس انسان کا پیچھا کر رہا ہوں۔ وہ مدت العمر اس نظارہ کو اپنے حافظہ
سے نہیں مٹا سکا بلکہ وہ ہمیشہ اس خلافِ معمول واقعہ کو بیان کرتا رہا اور کہا کرتا تھا۔
کہ سمعت قرأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لا یلتفت وابو بکر یکثر
الالتفات "میں گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے رسول کریمؐ کے اسقدر نزدیک ہوگیا کہ میں
آپ کے قرآن پڑھنے کی آواز سُن رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ آپ دائیں بائیں بالکل
نہیں دیکھتے۔ ہاں ابوبکر بار بار دیکھتے تھے" آپ کے اللہ تعالےٰ کے سچے رسول ہونے
اور آپ کے تمام کاروبار کے منجانب اللہ ہونے کے لئے یہی واقعہ کافی شاہد ہے۔

(۵) کفار قریش نشانِ قدم پہچانتے پہچانتے اور پتہ لگاتے لگاتے جب غار ثور تک پہنچ گئے
تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اُن کی آہٹ سُنی نہایت مضطرب ہوئے اور آپ سے عرض
کیا کہ کفار آن پہونچے۔ اب ہم دونوں کا یہیں خاتمہ ہے۔ حضرت رسولخداؐ نے ایسی
نازک حالت میں جبکہ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور تمام امیدوں کا خاتمہ
تھا بنظیر توکل باللہ اور استقلال وعدیم المثال جوانمردی سے ارشاد فرمایا (لَا تَحْزَنْ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا) اے ابوبکر کیا غم ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے (توبہ پ۱۰) یہ وہ جانبخش
الفاظ ہیں جو صفحۂ تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور توکل واخلاص باللہ
کی مجسم تصویر ہیں۔ یہ اُسوۂ حسنہ بالخصوص مسلمانوں کے لئے قابل توجہ وعمل ہے۔

قوم کا اعزاز واحترام

دوسروں کا ادب واحترام کرنا اور باوجود اپنے علو مرتبت کے اوروں کیساتھ
تواضع وانکسار سے پیش آنا انسانی خصائل میں ایک ایسی شریفانہ اور نیک خصلت ہے
جس سے اخوت واتحاد اور مساوات ویگانگت کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اس لئے

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دوسروں کے ادب و احترام کا بہت خیال رہتا تھا، اور اس امر خاص میں جو اُسوۂ حسنہ حضور انور نے اپنی اُمت کے لئے پیش فرمایا ہے اگر مسلمان اس پر عمل کرنے لگیں تو بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کبھی مجلس میں پائے مبارک دراز کر کے تشریف نہیں رکھتے تھے اور اپنے اصحاب کو کنیت کے نام سے پکارتے تھے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی دستور ہے) اگر آپ کو کوئی شخص بلاتا تو آپ اُس کے جواب میں لَبَّیْکَ (حاضر ہوں) فرمایا کرتے۔ کوئی شخص آپ کی خدمت اقدس میں آتا تو آپ اُسکی تعظیم کرتے، اُسکا ادب بجا لاتے۔ ایک دفعہ آپ کسی حجرہ میں تشریف رکھتے تھے، آپ کے اصحاب اس کثرت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ حجرہ شریف بھر گیا بیٹھنے کو جگہ نہ رہی، حضرت جریر رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی تھے تشریف لائے، اندر جگہ نہ دیکھی تو دہلیز پر بیٹھ گئے، آپ نے اپنی چادر لپیٹ کر اُن کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ "اس پر بیٹھ جاؤ" اُنھوں نے چادر مبارک کو اُٹھا کر آنکھوں سے لگایا، اور بوسہ دیکر رونے لگے اور تہہ کر کے آپ کو پھیر دی۔ اور عرض کی کہ "میں اس لائق نہیں کہ آپ کی چادر مبارک پر بیٹھوں، جیسی آپ نے میری تعظیم و تکریم کی، خدا آپ کی تعظیم و تکریم کرے" پھر آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر فرمایا "جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم اُسکی تعظیم کیا کرو"۔

بعض اوقات آپ کی خدمت اقدس میں کوئی حاضر ہوتا اور آپ تکیہ[۱] لگائے بیٹھے ہوتے جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ اُس کو اپنے ساتھ بٹھا لیں تو تکیہ نکال کر اُسے دیدیتے، اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے اُسے دے ہی دیتے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ کے پاس آئی، آپ نے اُسکی بہت تعظیم کی۔ جب آپ

---

[۱] یہ تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے آجکل کے مغرور امراء کی طرح کوئی قیمتی یا زریں نہیں تھا (مشکوٰۃ)

سے اُس کا حال پوچھا گیا تو فرمایا "یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلی ہے اور اُن کے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔

آپؐ اپنے بزرگوں کی بڑی عزت کرتے، اور اُن کی بات مان لیتے تھے، آپؐ کی دایہ جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا ایک دفعہ آپ کی خدمتِ اقدس میں آئیں تو آپؐ نے اپنی چادر مبارک اُن کے لئے بچھادی۔

ایک دفعہ آپ کنوئیں پر اپنے ایک صحابی کے ساتھ غسل کرنے گئے اُنہوں نے ایک چادر کی آڑ آپؐ پر کر لی، جب آپؐ نہا چکے، تو وہ صحابی نہانے لگے، آپ کپڑا روک کر کھڑے ہو گئے کہ اُن کو لوگوں سے آڑ میں کر دیں، اُنھوں نے کہا آپؐ میرے، ماں باپ فدا ہوں، آپ ایسا نہ کریں" آپ نے نہ مانا، اور جب تک وہ غسل سے فارغ نہ ہوئے آپؐ پردہ کئے کھڑے رہے۔

جہاں آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے اور عاجزوں پر رحم کرتے تھے وہاں جو لوگ نیک خلاق ہوتے اُن کی عزت و احترام اُن کا ادب و تعظیم کرتے تھے۔ حاتم طائی ایک مشہور سخی آدمی ہے اُسکا نام سب لوگوں میں مشہور رہی، جب اُس کے قبیلے کے لوگ قید ہو کر حضرتؐ کی خدمت میں آئے تو اُن میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی، اُس نے آپؐ کی خدمت میں عرض کی کہ "اگر مناسب سمجھیں تو ہمیں رہا کر دیں، اور عرب کے قبیلوں کو ہم پر نہ ہنسائیں۔ میں اپنی جماعت کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا بھوکوں کا پیٹ بھرتا تھا۔ اُنھیں کھانا کھلاتا تھا۔ ننگوں کو کپڑے پہناتا تھا مسافروں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جو حاجتمند شخص اُس کے پاس آتا، مقدور کے موافق اُسکی حاجت پوری کرتا تھا۔ اُسکا نام حاتم تھا" آپؐ نے یہ فرمایا کہ۔ ایمانداروں کی صفتیں ہیں، تیرا باپ ایسا تھا، اس لئے ہم نے تجھپر رحم کیا۔ تیری قوم کو چھوڑا، کیونکہ اللہ

تعالے اچھے اخلاق کو دوست رکھتاہے، اور تیرا باپ بھی اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا، یہ سُنکر ایک صحابی اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ "یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالے نیک اخلاق کو دوست رکھتا ہے؟" آپ نے فرمایا "مجھے اُس پاک خدا کی قسم ہے، جسکے قبضے میں میری جان ہے کہ بہشت میں وہی داخل ہوگا جو نیک اخلاق کو دوست رکھتا ہوگا

جو کوئی مل جاتا حضور اُسے پہلے خود سلام کرتے، دوسرے شخص کے سلام کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ آجکل کے مسلمان اس بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ پہلے کوئی دوسرا اُن کو سلام کرے۔ حالانکہ پہلے سلام کرنے والا زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

آپ مصافحہ کے لئے خود پیشدستی کرتے۔ اسلام میں مصافحہ بھی محبت و اخلاص بڑھانے کے لئے ایک نیک طریقہ ہے، اس لئے آپ ہر ایک امیر و غریب سے مصافحہ کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے اور جب تک وہ شخص خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا تب تک آپ اپنے ہاتھ کو نہیں چھڑاتے تھے۔

ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو خدمت نبوی میں بھیجنا چاہا۔ اُس نے باپ سے پوچھا کہ "اگر حضور اندر تشریف فرما ہوں تو میں کیونکر آواز دوں؟ باپ نے کہا "جان پدر کاشانۂ نبوت دربار قیصر و کسریٰ نہیں ہے حضورؐ کی ذات تجبر و تکبر سے بلند ہے۔

آپ کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے تھے اگر نماز نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آبیٹھتا تو نماز کو مختصر فرما دیتے، اور اُس کی ضرورت پوری کرکے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔

ایک شخص نے آپ کو "یا خیر البریۃ" (بہترین خلائق) کہا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ذَالِکَ اِبْرَاهِیْمُ (یہ شان تو ابراہیمؑ کی ہے)

آپ کسی کی دلشکنی نہیں فرماتے تھے، اور غلطی اور خطا سے درگزر کرتے تھے

امیروں کی نسبت غریبوں کی طرف زیادہ رغبت تھی حضورؐ کے نزدیک وہی بڑا تھا جو تقویٰ میں بڑا ہو۔ جب کوئی آپ سے ملتا تو جب تک وہ چلا نہ جاتا تب تک آپ کھڑے رہتے، اگر کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا تو آپ چھڑانے کی کوشش نہ کرتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔

سجدۂ تعظیمی چونکہ انسانی حریت کا دشمن تھا اس لئے عام طور پر اُسکی ممانعت فرمادی اور تمام سلمانوں کو سجدۂ تعظیمی سے روک دیا۔ چنانچہ انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ ایکمرتبہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ ہمپر آپؐ کی تعظیم زیادہ واجب ہے۔ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں؟ آپ نے فرمایا کہ سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ نہ کرنا چاہیئے۔ نیز آپ نے فرمایا:۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی	خدائے تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی
اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ	کہ اُنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدے
مَسَاجِدَ (بخاری و مسلم)	بنالیا یعنی قبروں کو سجدے کرنے لگے ؂

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ نوشیرواں اگرچہ مسلمان نہیں مگر چونکہ عادل ہے اس لئے میں اُسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاؤں گا ؂

مختصر یہ کہ آپ ہر ایک شخص کا اُس کی حیثیت کے موافق ادب و احترام کرتے اور خود اپنی نسبت سید و آقا کے الفاظ سُننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ یہ وہ پاک اخلاق عادات اور خصائل تھے جن کی وجہ سے حضورؐ نے اپنی قوم میں چند ہی دنوں میں خودداری، عزت و احترام کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ اور قومی عزت کا وہ پاک نمونہ دنیا کو دکھلا دیا کہ آج تک مخالفین حیران ہیں کہ ان لوگوں میں اس قدر مساوات کا جذبہ کہاں سے آگیا

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تنحّ عن الطریق (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا یعنی اوائل اسلام میں بڑے سے بڑا آدمی راہ میں کسی معمولی آدمی کو نہیں کہہ سکتا تھا کہ "ذرا ہٹ جاؤ" اوّل جو ظلم شروع

ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرتا تھا۔

قریش جنکو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر میں اُنھوں نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اُٹھانا بھی اُن کے لئے عار ہے وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلاموں کی برابر کر دئے گئے۔ ابوسفیان جو تمام قریش کا سردار رہ چکا تھا اور جسکو خود رسول اللہؐ کے حریف مقابل ہونے کا دعویٰ تھا جب اسلام لایا تو اُس کو بلالؓ و صہیبؓ کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا۔ حالانکہ بلالؓ و صہیبؓ دونوں عجمی زرخرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا، جب وہ اسلام لایا تو اُس نے چاہا کہ ایک عامی آدمی کے مقابلہ میں اُس کی عزت مرجح تسلیم کیجائے لیکن حضرت فاروقؓ نے جو اسلام کی اصلی تصویر تھے، گوارا نہ کیا۔ اور وہ اس ضد پر مرتد ہو کر عیسائیوں سے جا کر مل گیا۔

مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔ ہم آجکل کے ایمان و اسلام کے مدعی حضور انور کے اتباع و اطاعت اور عشق و محبت کے دعوے کرنیوالے کسقدر اُسوہ حسنہ سے دور جا پڑے ہیں بڑے بڑے پیر اور عالموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ادب و احترام سے اپنے متوسلین اور معتقدین کے نام لینا گویا گناہ سمجھتے ہیں خطاب کے وقت "تو" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خدا کی مخلوق میں سے کسی انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا بہت بڑا جرم و گناہ ہے۔ افسوس بہت سے مسلمان اس حقیقت سے غافل ہیں کہ ادب کسقدر طہارت و پاکیزگی اور محبت و مودت دلوں میں پیدا کرتا ہے وہ اپنے نفسوں کو مغالطہ دیتے ہیں جب خیال کرتے ہیں یا مُنہ سے کہتے ہیں کہ وہ آپس میں بے تکلف دوست ہیں اگر وہ حضرت نبی کریمؐ کے متبع ہیں اور اُن کو اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کا دعویٰ ہے یا وہ دنیا میں اسلام کی پاک تعلیم کا نمونہ بننا چاہتے ہیں تو آپس میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اُٹھا دیں اور ذات پات اور شریف و رذیل کے ناپاک خیال کو پاؤں تلے مسل

ڈالیں۔ اور ہر ایک کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں حتیٰ کہ غیبت میں بھی ادب سے نام لیں اور ذکر کریں اُسوقت خدائے پاک و برتر اپنے وعدہ کے مطابق کہ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ (ہمنے اُن کے دلوں کو تمام کدورتوں سے پاک کردیا) اُنھیں مصداق بنا دیگا اور وہ دنیا کے لئے شہدار اور مصلح ہو جائیں گے خدائے رحیم وکریم ہم تمام مسلمانوں کو اس اُسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلام پاک کے شیریں اور مصفا چشمہ سے دور اُفتادہ قوموں کو اس کے قریب لائے۔ آمین ؐ

عبادت و ریاضت

حضورؐ انور کی بعثت اور عقائد کا اظہار عبادت سے ہوتا ہے۔ عبادت کرنے سے بندے کا تعلق اپنے خالق و مالک سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو آدمی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اُس کو اپنے مالک رب العٰلمین سے سچا تعلق ہے۔ اور نیز عبادت ایک بیج کے مانند ہے جس کا اثر روح اور جسم دونوں پر پڑتا ہے۔ عبادت جس قدر زیادہ کیجاتی ہے اُسی قدر وہ بیج پھلتا۔ پھولتا اور ثمردار ہوتا ہے۔ انسان جب تک عملی طور پر عبادت اور بجا آوریٔ احکام الٰہی سے ثابت نہ کردے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے اُسوقت تک وہ فیوض اور برکات حاصل نہیں ہوسکتے جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اسے پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص دُنیا کے تمام ضروری کاموں سے کنارہ کش ہوکر صرف تسبیح لیکر بیٹھ جائے۔ حضور انورؐ اور آپ کے صحابہؓ کرام نے اپنے برگزیدہ طرزِ عمل سے دکھا دیا کہ فرائض انسانی کیا ہیں اُن کو میدان جنگ میں دیکھنے والا کبھی خیال بھی نہیں کرسکتا تھا۔ کہ یہ لوگ مسجدوں میں خشوع وخضوع سے نمازیں پڑھتے ہونگے اور اُسوقت ایسے مستغرق

ہونگے۔ کہ کاٹو تو ایک قطرہ خوں نہ نکلے۔ اور نماز میں اُن کو دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایسے تیغ زن بہادر ہو سکتے ہیں۔ جیسے وہ تھے۔ غرض آپ اور آپؐ کے ساتھی ہر کام میں مستعد اور ہوشیار تھے۔ جو کرتے تھے دل سے اور خدائے پاک کے لئے کرتے تھے۔

حضور انور (فداہ روحی) کی حقیقی تصویر ہر وقت مومن کے سامنے ہے جب وہ خدا کا پاک کلام قرآن کریم لیکر پڑھتا ہے۔ قرآن حکیم پڑھنے سے آپؐ کی مبارک زندگی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور آپ کی حقیقی لائف کے واقعات کا ایک نقشہ قاری کے دل کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ جس سے اُس کو صاف نظر آتا ہے کہ میں خدائے قدوس کیطرح ایک عظیم الشان اور کامل انسان اور یکتا کو دیکھتا ہوں اور اُس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے اور خدا کی طرح اس انسان کامل کی کُنہ تک بھی پہنچنا محال ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھیوں کیطرح کوئی خاص ضرب پیش دست لئے بیٹھے رہتے تھے۔ اور کوئی شغل نہ تھا۔ آپ کا عام وظیفہ نماز تھا اور یوں تو آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جو ذکر اللہ اور وظیفہ سے خالی ہو۔ آپؐ کا ذرہ ذرہ بھی ذکر اللہ تھا۔ آپ کا مومنوں کے ساتھ معاشرت کرنا بھی عبادت الٰہی تھا آپؐ کا مہمانوں کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آنا یاد الٰہی تھا۔ اور اُن کی مہماں نوازی بھی ذکر اللہ تھی۔ غرض آپ کا ہر فعل و عمل ذکر اللہ و عبادت و ریاضت میں داخل تھا۔ آپ کی مقدس اور مطہر زندگی سے مرض کو ایک تسلی دینے والا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جو کام محض خدا کے لئے اور خدا کی تعمیل حکم میں کیا جاتا ہے وہ بھی ذکر اللہ اور عبادت و ریاضت ہی میں شمار ہوتا ہے۔ کاش کوئی سوچنے والا سوچے اور سعید روح غور کرے!!

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اخلاق کے کامل معلّم تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ اخلاق کی درستی خدا ترسی اور نرم دلی سے پیدا ہوتی ہے۔ اِس لئے آپ

نے نماز کی غایت تاکید فرمائی اور عملی طور پر اُسکا مکمل نمونہ دکھادیا۔ بلکہ اتقاو پرہیزگاری ہی کو جو اخلاق کا زبدہ وخلاصہ ہے مسلمانوں کے لئے موجب عزت وکرامت قرار دیا دنیاوی جاہ وحشمت کو ہیچ فرمایا۔ دولت وجاہ کی کوئی توقیر نہیں کی۔ کیونکہ دولتمندی اور جاہ وحشمتِ دنیا جبکہ غیر متقی ہاتھوں میں ہو تمام بدیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ ہے اور فساد وشرارت کا گھر۔

آپ کی عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات صرف دوگانہ نفل میں ساری رات ختم کر دیتے اور اس طرح قیام فرماتے کہ پائے مبارک آماس کر جاتے اور بیشتر راتوں کا بڑا حصہ ذکر ونماز میں بیدار رہ کر بسر کرتے۔ حضرت مغیرہ رضؓ کہتے ہیں کہ "آپ کی دونوں پنڈلیاں کھڑے کھڑے ورم کر جاتی تھیں"۔ (بخاری شریف)

عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک رات آپ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو آپ برابر کھڑے رہے کہ میں بالکل تھک گیا"۔ (بخاری شریف)

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعض وقت نماز تہجد کو اسقدر طول دیتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ تو پاک ہیں"۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ "میں بھی ایک بندہ ہوں۔ کیا خدائے پاک کی شکر گزاری چھوڑ دوں؟"۔ (بخاری ومسلم شریف)

حضرت صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے پیر بہت سوج جاتے۔ تو آپ بیٹھ جاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے کھڑے ہو کر کچھ پڑھ کر رکوع کرتے (بخاری شریف)

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ پاک کے خوف سے آپؐ کے سینے سے نماز میں ایسے رونے کی آواز آتی تھی۔ کہ جیسے ہانڈی جوش کرتی ہے (نسائی شریف)

نماز کا اصلی مقصد خشوع وخضوع ہے۔ آپؐ جب کسی کے طرز عمل سے ان کا

ظہور ہوتا ہوا نہ دیکھتے تو اُس کو تنبیہ فرماتے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت عجلت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا "نماز کو پھر دُہراؤ۔ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں" اُس نے تین بار نماز دہرائی اور آپ نے تینوں بار ٹوکا۔ آخر میں اُس نے عرض کیا کہ "اب میں اِس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا"۔ آپ نے تکبیر۔ قرأت رکوع۔ سجود قیام وقعود کے وہ طریقے بتائے جن سے اطمینان، سکون، وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا تھا۔ (بخاری شریف)

آپؐ نماز کے سوا دیگر عبادات میں بھی حد سے زیادہ اہتمام وسعی فرماتے تھے علاوہ ماہ رمضان کے اور دنوں میں بھی اکثر روزے رکھا کرتے تھے۔ جن میں ایّام بیض ماہ ذی الحجہ ومحرم ورجب اور یوم جمعہ۔ عرفہ وعاشورہ کے روزے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ آپؐ روزے جیسی سخت عبادت سے کبھی جی نہیں چُراتے تھے بلکہ محبت وشوق سے فاقہ کشی کی سختی برداشت کرتے تھے۔ مسلمان روزے سے جی چُرانے والے غور کریں اور اپنے نبیؐ کی حالت کو دیکھ کر سبق سیکھیں؛

باوجودیکہ آپؐ کی عبادت میں خشوع وخضوع واخلاص اور سچا الٰہی تعلق ہوتا تھا اور ریا ونمود سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ اور آپؐ ایسے استغراق ومحویت سے ادا فرماتے تھے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ ایک بے حس اور بے جان بُت ہیں، مگر پھر بھی اگر کوئی ایسی حالت میں آپ کی خدمت اقدس میں آجاتا۔ تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے اور پوچھتے تمکو "مجھ سے کچھ کام ہو تو کہو"

آپؐ عبادات میں آسانی کی تعلیم فرمایا کرتے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا "بے شک (اسلام کا) دین آسان ہے اور دین میں جو سختی کرے گا تو دین اُس پر غالب آئیگا (بخاری شریف) مطلب یہ کہ آخر میں وہ تھک کر خود عاجز ہو جائیگا اور تنگ

عمل چھوڑنا پڑیگا۔ اِس لئے اِتنی عبادت کرنا چاہئے جو آسانی کے ساتھ ہو سکے

بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز میں طول دیتے تھے جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اِسی بنا پر امام کی شکایت کی۔ آپؐ کو معمول سے زیادہ غصہ آگیا اور فرمایا "تم لوگوں کو مذہب سے متنفر کر رہے ہو۔ امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہئے کیونکہ اُن میں مریض۔ ضعیف۔ کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف)

آپؐ عبادات میں اُس عمل کو پسند فرماتے تھے جو ہمیشہ کیا جائے چنانچہ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "ایک دن آپؐ جب میرے پاس تشریف لائے تو میرے گھر میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا" یہ کون ہے؟" میں نے عرض کیا "فلاں عورت ہے اور اس کی نماز کا حال بیان کرنے لگی۔ کہ ساری رات سوتی نہیں عبادت میں گزار دیتی ہے" آپؐ نے سُنکر فرمایا:۔

مہ علیکم بما تطیقون فو اللہ	بس بس! وہ کام کرو جو (ہمیشہ) کر سکے کیونکہ
لا یمل اللہ حتی تملوا وکان	قسم خدا کی اللہ (تو ثواب دینے سے) تھکیگا
احب الدین الیہ ما داوم علیہ	نہیں تم ہی تھک جاؤ گے (حضرت صدیقہ رضو
صاحبہ	فرماتی ہیں کہ) آپ کو وہ عمل بہت تھا جس کا
(بخاری شریف)	کرنے والا اُس کو ہمیشہ کرے"۔

ماسوائے نماز، روزہ، حج وغیرہ احکام الٰہی کی بجا آوری کے آپ ہر وقت خدا کی یاد اور اُس کی عبادت اور اُس کے ذکر میں رہتے تھے۔ آپؐ کا کوئی کام خواہ وہ کسی طرح کا ہو ایسا نہیں تھا جس میں آپؐ اللہ تعالےٰ کو یاد نہ کرتے ہوں۔ دعوےٰ کرنا آسان ہے مگر کرکے دکھانا اور اُسکا ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہے جس قدر ہادیانِ دین اور مصلحانِ قوم دنیا میں پیدا ہوئے اُن کے مقابلہ میں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص خصوصیت

میں کوئی انسان آج تک آپ کے مقابلہ کا پیدا نہیں ہوا۔ کہ جس نے اپنی زندگی کے ہر کام میں اپنے خالق و مالک کو اسقدر یاد کیا ہو۔ اور اُس کے ذکر کا اِس قدر اہتمام کیا ہو جسقدر آپ نے کیا۔

مثلاً جب آپؐ کھانا کھانے بیٹھتے تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے اور داہنے ہاتھ سے کھانا تناول فرماتے جب کھانے سے فارغ ہوتے تو پڑھتے:۔

الحمد للّٰہ الذی اطعمنا وسقانا واجعلنا مسلمین (ترمذی و ابن ماجہ) "تمام تعریفیں اُس کے لئے ہیں کہ جس نے ہمکو کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور مسلمان کیا"

اور حضرت ابن عباس رضؓ سے یہ بھی دعا کھانے کے بعد آئی ہے۔

اللھم بارك لنا فیه واطعمنا خَیْرًا منه (مشکوٰۃ شریف) "اے اللہ اس کھانے میں ہمکو برکت عطا فرما اور اس سے اچھا کھانا ہمکو کھلا"

جب دودھ پیتے تو پڑھتے:۔

اللھم بارك لنا فیه وزدنا منه "اے اللہ اس (دودھ) میں ہم کو برکت عطا فرما اور اس میں ہم کو زیادتی دے"

جب سوتے تو دعا فرماتے:۔ "رب اسلمت نفسی" جاگتے تو فرماتے

الحمد للّٰہ الذی احیانی بعد مماتی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مرنے کے بعد مجھ کو پھر زندہ کیا۔

چاند دیکھتے تو فرماتے کہ اللّٰھم ھلنا بالخیر والعافیة" نئے شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا فرماتے کہ:۔ اے خدا اس شہر کی برکتوں سے مجھے حصہ دیجیو اور اسکی برائیوں سے محفوظ رکھیو"

جائے ضرور میں جاتے تو بھی دعا فرماتے "اللھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث (متفق علیہ)، باہر نکلتے تو غفرانك (الٰہی تیری بخشش چاہتا ہوں) فرماتے۔

اس کے علاوہ چھینک آتی تو ذکر اللہ کرتے۔ حتےٰ کہ عورتوں کے ساتھ مباشرت تک ذکر الٰہی کو لازمی قرار دیا۔ عموماً جو دعا آپؐ کی زبان مبارک پر ہمیشہ رہتی تھی وہ یہ تھی: "اللھم انی اسئلك العفوو العافیة" غرض کوئی موقع کوئی کام ایسا نہ تھا کہ آپؐ خدائے پاک کے ذکر سے غافل ہوتے ہوں۔ اگر اُن تمام دعاؤں کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ مختصر یہ کہ آپؐ کا چلنا پھرنا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا۔ کھانا پینا۔ رہنا سہنا سب عبادت تھا۔ آپکی تمام زندگی عبادت ہی میں گزری۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے کہ آپؐ کے اخلاق سے پورا پورا سبق حاصل کریں تاکہ ہمسایہ قومیں جو روحانیت کی پیاسی ہیں وہ بھی ہم کو اسلامی صداقت اور سرکار رسالت کے اخلاق کا زندہ نمونہ دیکھکر اسلامی چشمۂ حیات سے سیراب ہونے کے لئے آگے بڑھیں اور یہ اُسی حالت میں ممکن ہے کہ ہم خود اُس پاک اور مصفےٰ اور شیریں چشمۂ سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا التحیۃ کے قریب ہو کر اُس سے بہرہ ور و مستفیذ ہوں۔

تمت بالخیر

مزاح و تبسم

اس سے قبل لکھا جاچکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی عمر بھر کسی کو گالی نہیں دی۔ اور کبھی کوئی فحش کلمہ آپ کی زبان سے نہیں سُنا گیا۔ آپ صدق اور راست گوئی کی نہایت پابندی فرماتے۔ جھوٹ بولنے والوں اور منافقوں سے سخت بیزار رہتے۔ البتہ خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی آپکو ضرور مرغوب تھی۔ اس لئے کبھی کبھی آپ مزاح (مذاق) بھی فرمایا کرتے۔ اسمیں بھی راستی اور سچائی کا خیال رکھتے۔ اور یہ سب کچھ محض اپنے دوستوں کی خوشنودی کیلئے کرتے۔ نہ کہ اُن کو حقیر اور ذلیل کرنے کی نیت سے۔

بعض لوگ مزاح وخوش طبعی کو تقویٰ اور تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت حال اسکے خلاف ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے اُس کے اہل وعیال اور کاروبار کے استفسار میں مشغول ہو جائے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ کر اُس سے ہمدردی ظاہر کرے اور دوسرا شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی تسبیح میں مصروف ہو تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے یعنی مسافر کے انبساط خاطر کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کسی ہمدردی کی نیت سے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں۔ کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ پس ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہئے۔ اور یہی عوام الناس کی غلطی ہے کہ وہ اسکو نہیں سمجھتے ۵

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

مشہور ہے کہ ایک آدمی ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بزرگ بہت دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ اُس شخص نے جب اجازت مانگی تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپکی عبادت میں بہت حرج کیا۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ "بندۂ خدا یہ کیا کہا" کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں"

اسی قاعدہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کی ساتھ مرعی رکھتے تھے اور حدِ جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ فرماتے آپ اُن کے ساتھ شریک ہوتے۔ آپکا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہؓ کیساتھ شامل رہتے تھے۔ اور اُن لوگوں کے تذکرونکو سنکر آپ تبسم فرماتے تھے۔ آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپکی آواز قہقہہ نہیں سُنی۔ ہنسی تو اُن لوگونکو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں سو اللہ والوں کو بے فکری کہاں ہے؟ البتہ دوسرونکی خاطر سے کبھی کچھ ہنس دیتے تھے۔ آپکا تبسم فرمانا اور قہقہہ کی آواز نہ نکالنا بھی اسیوجہ سے تھا آپ خود ہی اسکی نسبت فرماتے ہیں۔ کہ "میں کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہو اور صور پھونکدوں" گویا آپکی یہ حالت تھی

مرا در منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم   جرس فریاد مے دارد کہ بر بندید محملہا

یہی وجہ تھی کہ آپ کی نسبت شمائل ترمذی میں لکھا ہے:۔

کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان "آپ ہمیشہ متفکر رہتے اور برابر مغموم نظر آتے" اور حقیقت میں یہ بالکل سچ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کیحالت ہو جائے۔ اور یہ روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ پس حضورِ انور کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کیساتھ مصالح خلق کے وابستہ تھے۔ اگر یہ بات نہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا۔ اور مزاج کی یہ حالت تھی کہ وہ بھی عوام کیحالت کے بالکل خلاف تھا جسکی نسبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ (ترمذی شریف)   "اپنے بھائی کیساتھ خصومت مت کر اور ایسا مزاح (مذاق) نہ کر کہ جس سے اُسکو ایذا پہنچے۔ اور ایسا وعدہ نہ کر کہ جس وعدہ کی تو پیچھے وفا نہ کرسکے"

پس آپ کے مزاح کا حال مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہو جائیگا۔

ایکبار حضرت نبی کریم اور حضرت علیؓ کھجوریں کھا رہے تھے۔ آپنے اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علیؓ کی گٹھلیوں میں ملادیں اور فرمایا "دیکھو علی! تم نے مجھ سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں" حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کیطرح گٹھلیوں سمیت کھجوریں نہیں کھاتا رہا (اکثر کتب سیر و حدیث)

ایکدفعہ ایک بُڑھیا نے آپکی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ دُعا فرمائیں کہ خدائے تعالیٰ مجھے جنت نصیب کرے۔ آپنے فرمایا لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ ۔ کوئی بُڑھیا جنت میں نہیں جائیگی"۔ بیچاری بُڑھیا نے حیران ہوکر پوچھا کہ کیوں بُڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جائینگی؟" بُڑھیا چونکہ قرآن خوان تھی۔ اِس لئے آپنے اُس کے جواب میں فرمایا:۔ اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (رواہ رزین) کیا تو قرآن میں نہیں پڑھا اور تجھے معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشتی عورتوں کو ہم باکرہ (ناکتخدا) پیدا کرینگے۔ وہاں بوڑھی کوئی نہیں ہوگی۔ بلکہ سب جوان ہوں گی"۔

ایکدن ایک شخص سے آپنے پوچھا کہ "بتلاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی"؟ اس سادہ دل سرنیچے جھکالیا اور سوچنے لگا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ کہ ہوش کر کیا تجھے تیری ماں بھولگئی۔ ایکدفعہ ایک موقع پر جبکہ آپ تمام صحابہ میں گھوڑے اور اونٹ (سواری کے جانور) تقسیم فرمارہے تھے۔ ایک صحابی سے فرمایا۔ کہ "اسکو بھی اونٹ کا بچہ دیدو" (اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ) اُس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں اونٹ کا بچہ کیا کرونگا؟" آپنے ہنسکر فرمایا "وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ (یعنی ہر ایک بڑا اُونٹ اُونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے (ترمذی والبوداؤد) حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے اُنسے کہا:۔ یَا ذَا الْاُذُنَيْنِ (اے صاحب دو گوش) (رواہ ترمذی والبوداؤد)

کوئی ایسا مذاق کہ جو کسی دوسرے کی اہانت یا ہتک عزّت کا باعث ہو آپ کو سخت ناپسند تھا اسی لئے آپنے فرمایا:۔

لا یبلغ العبد صریح الایمان — خالص ایمان تک آدمی نہیں پہونچتا جب تک مزاح
حتی یدع المزاح والکذب — (ٹھٹھہ) اور جھوٹ کو نہ چھوڑ دے"

(ترغیب الترہیب امام منذری)

مسلمانوں کو اس (مزاح) میں بھی سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اور گندے اور فحش مذاق اور دل لگی سے توبہ کرنی چاہیئے۔ خداوند کریم سب مسلمانوں کو اس اُسوۂ حسنہ کی اتباع کی توفیق بخشے۔ آمین!!

تمّت بالخیر